قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

الوعظ ۱۰۸ المسمّٰی بہ

الیسر مع العسر

الملقب بہ

(الاستعانۃ بالضد علی الضد)

منجملہ ارشادات حکیم الامۃ حضرت مرشدی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ تھانہ بھون

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون نے اپنے اہتمام سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمی (بہ) الیسر مع العسر

الملقب بہ

(الاستعانۃ بالضد علی الضد)

أین	کہاں ہوا	مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔
متی	کب ہوا	۱۱ شعبان سنہ ۱۳۴۱ھ بعد نماز جمعہ
کم	کتنی دیر ہوا	۲ ½ گھنٹہ۔
کیف	کس ہیئت پر ہوا	کھڑے ہوکر
لم	کیوں ہوا	قرب رمضان کی وجہ سے لوگوں کو روزہ اور تراویح کیلئے آمادہ کرنا مقصود تھا۔
ماذا	کیا مضمون تھا	پندرہ شعبان کے بعد روزہ سے ممانعت اسلئے کیگئی ہے کہ صیام رمضان کیلئے نشاط وقوت محفوظ رہے اسپر یہ مضمون عجیب متفرع فرمایا کہ کبھی ضد سے بھی ضد میں مدد لیجاتی ہے
لأی شان	کس طبقہ کے مناسب تھا	اہل علم کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً۔
من ضبط	کس نے ضبط کیا	احقر ظفر احمد کان اللہ لہ وعفا عنہ۔
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	تقریباً ۵۰ یا ۶۰
الاشتات	متفرقات	اس بیان میں مضمون استعانت بالضد علی الضد عجیب اور جدید مضمون تھا۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لآ الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ٥ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا ٥ و

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انتصف شعبان فلا صوموا الا عن رمضان (قلت اخرجہ فی المقاصد الحسنۃ بلفظ فلا صوم حتی رمضان وعزاہ الی احمد والدارمی والاربعۃ وقال صححہ ابن حبان وابو عوانۃ وغیرھما والدینوری فی المجالسۃ کلھم من حدیث العلاء بن عبد الرحمن عن ابیہ عن ابی ھریرۃ بہ مرفوعا اھ ص ۱۶) آج میں نے خلاف معمول آیت وحدیث دونوں کی تلاوت کی ہے حالانکہ میرا ہمیشہ کا معمول یہ ہے کہ بیان کیلئے یا صرف آیت قرآن کی تلاوت کرتا ہوں یا صرف حدیث کی مگر آج ایک ضرورت کی وجہ سے میں نے ایسا کیا ہے وہ یہ کہ اول میرے ذہن میں ایک مضمون جزئی آیا تھا اسکے مناسب یہ حدیث ذہن میں آئی پھر مضمون اولی سے ایک دوسرے مضمون کلی کی طرف ذہن منتقل ہوا اسکے مناسب یہ آیت ذہن میں آئی پھر گو یہ ممکن تھا کہ میں صرف آیت پر اکتفا کرتا حدیث کی تلاوت نہ کرتا لیکن اسکو جی نہ چاہا کہ جو چیز اولاً ذہن میں آئی تھی اسکو ترک کردوں کیونکہ اسمیں فی الجملہ اعراض کی سی صورت تھی۔ علاوہ ازیں احادیث نبویہ قرآن کیلئے بمنزلہ شرح کے ہیں اسلئے بھی حدیث کے ترک کو جی نہ چاہا بلکہ یہی صورت اچھی معلوم ہوئی کہ دونوں کی تلاوت کردیجائے تاکہ حدیث سے آیت کی شرح ہوجائے۔ لیکن تلاوت میں آیت کو مقدم رکھا گو اسکی طرف ذہن بعد میں منتقل ہوا تھا کیونکہ آیات قرآنیہ کا رتبہ احادیث سے بڑھا ہوا ہے دوسرے وہ بمنزلہ متن کے ہیں اور احادیث بمنزلہ شرح کے اور متن شرح سے پہلے ہی ہوا کرتا ہے۔

الفاظ حدیث سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسوقت جو مضمون بیان ہوگا اس کا تعلق ماہ شعبان سے ہے لیکن آیت کا تعلق غالبًا ابھی سمجھ میں نہ آیا ہوگا۔ تو بات یہ ہے کہ اسوقت شعبان کے متعلق جو مضمون بیان کرنا ہے اسمیں دو پہلو ہیں ایک جزئیت کا دوسرا کلیت کا تو جزئیت کے طور پر اس مضمون کو حدیث سے تعلق ہے اور کلیت کے طور پر آیت سے تعلق ہے اسوقت اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے آگے تفصیل بھی معلوم ہوجائے گی اب اس مضمون کو سمجھنا چاہئے اور مناسب یہ ہے کہ پہلے مضمون کلی کو بیان کردیا جاوے۔ کیونکہ اول تو کلی مقدم ہوتا ہے جزئی سے جزئیات کلی کے اندر مندرج ہوتی ہیں تو کلی کو معلوم کرلینے سے فی

اجمالاً جزئیات کا علم ہو جاتا ہے دوسرے وہ مضمون کلی آیت سے مستنبط ہے جسکو میں نے تلاوت میں مقدم کیا ہے اسلئے پہلے مضمون کلی ہی کا بیان مناسب ہے، تو سنئے حق تعالےٰ فرماتے ہیں فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا ۵ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے آگے مکرر تاکید ہے کہ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، یہ سورہ الم نشرح کی آیت ہے اور وہ مکی سورت ہے اور مکہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو قسم قسم کی کلفتیں پیش آتی تھیں جنکے متعلق حق تعالیٰ نے جا بجا مکی سورتوں میں آپ کی تسلی فرمائی ہے منجملہ انکے ایک سورت یہی ہے جسمیں آپکی تسلی کیگئی ہے اور کلفتوں کے بعد آسانی کی بشارت دی گئی ہے ظاہر نظر میں تو مکہ میں آپکو ایک کلفت تھی وہ یہ کہ کفار کو آپ سے عداوت تھی وہ آپکو زبانی اور جسمانی اذیتیں پہونچاتے تھے مگر نظر غائر میں آپکی اصلی کلفت روحانی تھی اور راز ان سب کلفتوں کا یہ تھا کہ آپ دو شانوں کے جامع تھے بشریت وملکیت جسمیں حق تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ اگر آپ میں بشریت کے آثار نہوتے تو آثار ملکیت کو دیکھکر لوگ یہ سمجھتے کہ آپ ملک بصورت بشر ہیں۔ اور جو لوگ شرک کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ تو آپ کو آلہ بصورت بشر سمجھتے چنانچہ مشرکین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق تعالیٰ کیلئے حلول فی الاجسام کو جائز رکھتی ہے یہ لوگ جب کسی انسان میں بشریت سے زیادہ آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں اُسکو اوتار کہنے لگتے ہیں کہ خدا نے اسمیں حلول کرکے صورت انسانی میں ظہور کیا ہے (نعوذ باللہ) یہ لوگ اگر حضور کو دیکھتے تو آپ کو آلہ بصورت بشر ہی کہتے جیسا کہ نصاریٰ کا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی عقیدہ ہے ان لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام میں اُن آثار کے مشاہدہ ہی سے یہ دھوکا ہوا جو دوسرے انسانوں سے زیادہ اُن میں تھے اور آجکل بعض لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ایسا غلو کیا ہے، چنانچہ میرے اُستاد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک سوال آیا تھا کہ کیا حضورؐ بشر تھے؟ اس شخص کو حضورؐ کے بشر ہونے پر تعجب تھا اور اس تعجب کا منشا یہی ہوا کہ آپ میں بشریت کے علاوہ بعض وہ کمالات بھی تھے جو دوسرے انسانوں میں نہیں جس سے ناواقف کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ آپ بشر نہیں بلکہ ملک بصورت بشر ہیں یا نعوذ باللہ آلہ بصورت بشر ہیں۔ اور بعض لوگوں کو یہ جرأت تو نہوئی مگر انھوں نے آپکی ولادت

شریفہ کے متعلق ایک مضمون اختراع کیا ہے جس سے گویا آپکو بشریت سے جدا کرنا چاہا ہے بلکہ آپ سے تجاوز کر کے اہل بیت وائمۂ اطہار کی نسبت بھی یہ اختراع کیا ہے کہ انکی ولادت موقع معتاد سے نہیں ہوئی بلکہ حضورؐ اور ائمہ اطہار ران سے پیدا ہوئے ہیں اور اس اختراع کی طرف داعی یہ ہوا کہ ان لوگوں نے حضورؐ کی ولادت کو موضع نجاست سے مستبعد سمجھا۔ مگر انکے پاس اس دعوی کی کوئی بھی دلیل نہیں سوائے گستاخی کے۔ پھر حضورؐ کے متعلق تو علماء کا یہ قول بھی ہے کہ آپؐ کے تمام فضلات پاک ہیں اسلئے آپؐ کے متعلق محل نجاست سے پیدا ہونے میں اگر کسی کو استبعاد ہو تو کسی درجہ میں ایک وجہ استبعاد اُسکے پاس موجود بھی ہے کہ جب علماء آپؐ کے فضلات تک کو پاک کہتے ہیں تو ایسے پاک صاف ذات کو محل نجاست سے نہ پیدا ہونا چاہیئے بلکہ موضع طاہر سے پیدا ہونا چاہیئے مگر ائمۂ اطہار کی بابت تو کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ انکے فضلات بھی پاک ہیں اُنکے متعلق یہ اختراع کیوں کیا گیا۔ اب میں حضورؐ کے متعلق اس استبعاد کا جواب دیتا ہوں وہ یہ کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ رحم محل نجاست ہے بلکہ رحم موضع بول وبراز سے بالکل الگ ہے اور نجاست اصلیہ بول وبراز ہی ہیں ہے کہ یہ دونوں نجس العین ہیں سو رحم کو ان سے کوئی تعلق نہیں پس موضع معتاد سے ولادت میں یہ اشکال لازم نہیں آتا کہ اسمیں محل نجاست سے خروج ہے کیونکہ وہ محل نجاست ہی نہیں بلکہ محل طاہر ہے اور ولادت کیوقت جو رطوبت جسم جنین کیساتھ لگی ہوتی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ طاہر ہے (قال فی الشامیۃ رطوبۃ الولد عند الولادۃ طاھرۃ وکذا السخلۃ اذا خرجت من امھا وکذا البیضۃ فلا یتنجس بھا الثوب ولا الماء اذا وقعت فیہ اھ ص ۱۶۳ ج ۱ جامع) اور اگر کسی کے نزدیک وہ رطوبت ناپاک بھی ہو تو اُسکی ناپاکی عارضی ہے جو دھونے سے زائل ہو جاتی ہے دھونیکے بعد جسم بالکل پاک ہو جاتا ہے اور ایسی عارضی ناپاکی کے جسم کو لگ جانا کچھ محل استبعاد نہیں حضورؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم ولباس پر بعض دفعہ بچوں کا پیشاب کر دینا اور آپؐ کا اُسکو دھلوانا ثابت ہے بس اس سے زیادہ یہ رطوبت نہیں ہو سکتی وہ بھی عارضی طور پر جسم کو لگ گئی جو دھلنے سے پاک ہو گئی اور یہ بھی علی سبیل التنزل ہے اگر اس رطوبت کا ناپاک ہونا تسلیم کیا جاوے ورنہ امام صاحب کے نزدیک تو رطوبت ولد جو ولادت کیساتھ جسم سے لگی ہوتی ہے پاک ہے اس

قول پر تو کچھ اشکال ہی نہیں مجھے اتنی تقریر اس مسئلہ میں محض ان گستاخ لوگوں کے اس اختراع کی وجہ سے کرنا پڑی تا کہ انکے استبعاد کا جواب ہو جائے ورنہ اس مسئلہ میں گفتگو کرنیکو جی نہیں چاہتا تھا۔ میرے پاس خود ایک سوال آیا تھا کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطریق معتاد پیدا ہوئے تھے۔ میں نے بڑا تعجب کیا کہ یہ شخص اپنے کو حضور کا محب کہتا ہے اور ایسی بحث لیکر بیٹھا ہے جسمیں ولادت کے اترے پترے کھولتا ہے اسکو ایسی گفتگو کرتے ہوئے شرم نہیں آتی کیا اپنی ماں کے متعلق بھی وہ ایسی گفتگو کر سکتا ہے۔ میرا دل نہ چاہتا تھا کہ اس کو جواب دوں مگر غلطی کی اصلاح ضروری تھی اسلئے میں نے جواب دیا کہ احادیث میں وارد ہے وُلِد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ کذا۔ کہ حضور کی ولادت فلاں شب کو ہوئی اور ولادت کی حقیقت یہی ہے کہ بطریق معتاد پیدائش ہو اور الفاظ میں اصل معنے حقیقی ہی ہوتے ہیں فلا یصرف عنہ الا بدلیل یعنی حقیقت سے بدون دلیل کے عدول نہیں ہو سکتا لہذا ہمکو دلیل بیان کرنیکی ضرورت نہیں جو شخص حقیقت کو چھوڑ کر ولادت کے دوسرے معنی بیان کرتا ہے اُسکو دلیل قائم کرنا چاہئے۔ جواب تو میں نے لکھدیا مگر میرا قلم کانپتا تھا غرض یہ لوگ چاہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بشریت سے بعید کر دیں حالانکہ آپ کا کمال یہی ہے کہ آپ بشر ہیں اور پھر ایسے کمالات سے متصف ہیں جو بشریت سے بعید ہیں کسی نے آپکی شان میں خوب کہا ہے۔ بشر لا کالبشر بل کالیاقوت بین الحجر یعنی آپ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کیطرح نہیں ہیں بلکہ آپ ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت ہوتا ہے ۱۲) حقیقت تو یاقوت کی بھی پتھر ہی ہے مگر اُسمیں اور دوسرے پتھروں میں ایسا زمین آسمان کا فرق ہے کہ اُس فرق پر نظر کر کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر نہیں کچھ اور چیز ہے پس یاقوت کا کمال یہی ہے کہ وہ پتھر ہو کر ایسا قیمتی اور ایسا خوشنما ہے اگر حجر نہوتا ذہب ہوتا تو کوئی عجیب بات نہ تھی اسی طرح حضور کا کمال یہ ہے کہ آپ انسان ہو کر سب انسانوں سے بڑھے ہوئے ہیں اگر ملک ہوتے تو کچھ کمال نہ تھا پس چونکہ حضور میں بشریت بھی کامل تھی اسلئے آپ کو اذیت کی بات سے اذیت ہوتی تھی یہ تو بس اذیت کی علت تھی اور چونکہ آپ لطیف المزاج سب سے زیادہ تھے اس لئے بہ نسبت دوسروں کے آپکو زیادہ اذیت ہوتی تھی کیونکہ جس مزاج میں لطافت زیادہ ہوتی ہے

تو ناگوار امور سے کلفت بھی دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ بھلا حضور کی لطافت مزاج کو تو ہم کیا ہی سمجھ سکتے ہیں آپ کے غلاموں میں بعض حضرات ایسے لطیف المزاج ہوئے ہیں کہ اُنکے قصے سن سن کر حیرت ہوتی ہے اہل اللہ کی لطافت مزاج کی بادشاہوں کو ہوا بھی نہیں لگی چنانچہ حضرت مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ اس اخیر زمانہ میں بہت ہی لطیف المزاج گذرے ہیں انکو لوگوں کی ادنی ادنی بے عنوانی سے وہ تکلیف ہوتی تھی جو ہمکو گالی سننے سے بھی نہیں ہوتی آجکل لوگ بزرگوں کو تیز مزاج کہتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر اُنکو غصہ آجاتا ہے لوگ اُنکو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ بس جتنی کلفت ہمکو ہوتی ہے ناگوار بات سے اتنی ہی انکو ہوتی ہوگی حالانکہ یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے جس بات کو تم خفیف سمجھتے ہو اُنکے نزدیک وہ پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے اسی واسطے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اوذیت فی اللہ مالم یؤذ احد (قلت اخرجہ فی المقاصد الحسنۃ بلفظ ما اوذی احد ما اوذیت فی اللہ عزوجل ابو نعیم فی الحلیۃ عن انس مرفوعاً واصلہ فی البخاری اھ (ص ۱۷۰) یعنی مجکو اللہ کے راستے میں اسقدر ایذا پہونچی ہے جو کسی کو نہیں پہونچی۔ بظاہر اسپر حیرت ہوتی ہے اور یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نوح علیہ السلام کی برابر تو ایذا نہیں پہونچی۔ نوح علیہ السلام کا صرف زمانۂ وعظ ساڑھے نوسو برس تھا اتنی مدت تک وہ کفار کی ایذائیں سہنے رہے حضور نے تو صرف تئیس سال ہی تبلیغ فرمائی ہے تو کیا تئیس سال میں حضور کو اتنی ایذا پہونچی جو نوح علیہ السلام کو ساڑھے نوسو برس میں بھی نہیں پہونچی پھر نوح علیہ السلام کو کفار نے بہت تنگ کیا تھا سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار وعظ کے وقت اُنکو لہولہان کر دیتے تھے اللہ اکبر! پھر اُنکی شفقت وہمت کا یہ حال تھا کہ لہولہان ہو کر بھی تبلیغ سے نہ رکتے تھے ساڑھے نوسو برس تک یہی حال رہا بعض ظالم مصنف نوح علیہ السلام کی بابت کہتے ہیں کہ اُنمیں شفقت ورحم نہ تھا اور دلیل یہ لکھی کہ انھوں نے اپنی قوم کیلئے بہت ہی سخت بددعا کی یارب لاتذر علی الارض من الکفرین دیارا (خداوندا کافروں میں سے زمین پر ایک بھی بسنے والا نہ رہے) میں کہتا ہوں کہ اس شخص نے نوح علیہ السلام کی بددعا کو تو دیکھ لیا اسکو نہ دیکھا کہ انھوں نے اس ظالم قوم کی ایذائیں کتنی مدت تک برداشت کیں۔ اس شخص کو

[illegible] تو دیکھئے نبی ایسی تکالیف برداشت کرکے دکھلاوے
[illegible] ہیں کہ نوح علیہ السلام کا ساڑھے نوسو برس تک تبلیغ کرتے
رہنا [illegible] کرتے رہنا اور انکی ایذاؤں کو سہتے رہنا جسکا ذکر اسی آیت
[illegible] دعوت قومی لیلا ونہارا الی قولہ ثم انی دعوتہم جہارا
ثم انی اعلنت لہم واسررت لہم اسرارا الایۃ یہ انکی غایت درجہ شفقت کی
[illegible] جب صلاح سے مایوس ہی ہوگئے اور یہ مایوسی بھی وحی سے واقع ہوئی جیسا
اس آیت میں ہے واوحی الی نوح انہ لن یومن من قومک الا من قد امن الی
قولہ ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون اور یہ سمجھا کہ اب ان سے مسلمانوں
کو ضرر پہنچنے کا سخت اندیشہ ہے اور بظاہر نہ یہ خود ایمان لائیں گے نہ انکی اولاد میں
کسی کے مومن ہونے کی امید ہے اسوقت انھوں نے بددعا کی چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں
انک ان تذرہم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا جب تک انکو صلاح
کی امید رہی اسوقت تک تبلیغ کرتے رہے مصائب جھیلتے رہے جو ایک سال دو سال ۲۲
کی مدت نہیں بلکہ اکھٹے ساڑھے نوسو برس اسی حال پر گذر گئے جب انکی طرف سے مایوس
ہوگئے اور مسلمانوں پر ان کے وجود سے خطرہ ہونے لگا اسوقت مسلمانوں کے حال پر رحم
کرکے کفار پر بددعا کی۔ تو یہ بددعا بھی حقیقت میں رحمت تھی اور اس کا منشا بھی شفقت
ہی تھی یعنی مسلمانوں کے حال پر مگر لوگوں میں مرض یہ ہے کہ وہ صرف ایک پہلو کو دیکھکر
اعتراض کردیتے ہیں دوسرے پہلو پر نظر نہیں کرتے بھلا ہمارا اور آپکا کیا منہ ہے جو نوح
علیہ السلام پر زبان کھولیں ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست — حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

جسکے کبھی کانٹا بھی نہ لگا ہو اس کا کیا منہ ہے کہ نوح علیہ السلام پر اعتراض کرے جو ہزار برس
تک پتھر کھاتے رہے یہ بہت سخت گستاخی کا کلمہ ہے جو ان لوگوں کی زبان پر آتا ہے کبرت
کلمۃ تخرج من افواہہم ان یقولون الا کذبا غرض نوح علیہ السلام کی ان کلفتوں کو
دیکھکر بعض لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ کیا حضور کو نوح علیہ السلام سے بھی زیادہ ایذا پہونچی

حالانکہ کما وکیفاً انکی ایذا بظاہر زیادہ معلوم ہوتی ہے حضور کو نہ اتنی مدت تک ایذا پہونچی نہ ایسی شدید ایذا ہوئی پھر آپ کیسے فرماتے ہیں کہ میری برابر خدا کے راستہ میں کسی کو ایذا نہیں ہوئی تو سنئے ظاہر میں بیشک نوح علیہ السلام کی تکالیف بڑی ہوئی ہیں مگر حقیقت میں آپکی تکالیف انسے زیادہ تھیں بات یہ ہے کہ مؤثر اور متاثر اور بتار تاثر کے تفاوت سے اثر میں تفاوت ہو جاتا ہے جیسے ایک دیہاتی کے پیر میں کانٹا لگجائے دیہاتی کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کیونکہ جنگل میں بکثرت چلنے پھرنے سے ان لوگوں کے پیر سخت ہو جاتے ہیں انکو کانٹے سے تو کیا پیر میں چاقو لگجانے سے بھی ایذا نہوگی اور اسکے مقابل ایک نازک اندام لطیف المزاج شخص کے پیر میں ذراسی پھانس لگ جائے تو اسے کیا کچھ ایذا ہوگی۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہی رح سے مرزا صاحب کی حکایت سنی ہے کہ تھانہ بھون کے ایک رئیس حضرت کی خدمت میں زیارت کیلئے حاضر ہوئے تھے انکی ساتھ ان کے ایک مصاحب بھی تھے وہ جو کسی ضرورت سے ادھر گئے اور ادھر پشت ہوئی ہی مرزا صاحب نے اسوقت انکے پاجامہ کے نیفے میں سلوٹیں ہنڈ مٹکی طرح پڑتی ہوئی دیکھیں۔ مرزا صاحب نے ان رئیس سے فرمایا تمہارا ان کی ساتھ کیسے گذر ہوتا ہے جنکو پاجامہ پہننا بھی نہیں آتا دیکھو تو نیفے میں سلوٹیں کس طرح پڑی ہوئی ہیں کہ ایک طرف کم ایک طرف زیادہ۔ ایکمرتبہ مرزا صاحب مرادآباد تشریف لیگئے تھے وہاں کا قصہ ایک صاحب نے بیان کیا کہ انکے واسطے ایک نواب کے یہاں سے چارپائی منگائی گئی مگر انکو نیند نہیں آئی پوچھنے پر آپنے فرمایا چارپائی میں کان ہے اسکی ناگواری سے نیند نہیں آئی نا پکر دیکھا تو واقعی تھی مگر بہت ہی خفیف کے مشکل سے پتہ لگا ایک بار اور بھی ایسا ہی ہوا کہ صبح کو خدام کے دریافت کرنے پر ......

فرمایا ہاں کچھ خنکی کا اثر معلوم ہوا تھا اسلئے نیند نہیں آئی اسوقت مجلس میں ایک بڑی بی موجود تھیں انھوں نے حاضران مجلس سے خطاب کرکے کہا کہ حضرت کے واسطے دُلائی میں تیار کرونگی کوئی اور صاحب فکر نکریں چنانچہ انہوں نے دن بھر میں محنت کرکے دلائی تیار کی اور عشا کے بعد جب آپ لیٹ گئے اسوقت لیکر حاضر ہوئی حضرت نے فرمایا کہ میرے اوپر ڈالدو وہ ڈالکر چلی گئی صبح کو اٹھے تو آنکھوں میں پھر بھی جاگنے کی سرخی موجود تھی خدام نے سبب پوچھا تو

فرمایا کہ دلائی اوڑھنے سے خنکی تو معلوم نہیں ہوئی مگر اُسمیں نگندے ٹیڑھے پڑے ہوئے تھے اس سے ایسی الجھن ہوئی کہ نیند پھر کبھی نہ آئی۔ بھلا لحاف میں سنہ لپیٹ کر نگندوں کا ٹیڑھا پن محسوس ہو جائے یہ عجائبات میں سے ہے مگر اس واقعہ کے راوی بڑے بڑے ثقات ہیں اسلئے انکار نہیں ہو سکتا پھر نگندوں کے ٹیڑھے ہونیسے نیند نہ آنا یہ نہایت لطافت مزاج ہے۔ نیز مرزا صاحب کے لئے لکڑیوں کی آگ میں کھانا نہ پکتا تھا کیونکہ اسمیں دہواں ہوتا ہے جسکی تلخی آپ کو کھانے میں محسوس ہوتی تھی انگاروں پر کھانا پکتا تھا ایک دن غلطی سے ایک کوئلہ کچا رہ گیا جس نے دہواں دیا۔ مرزا صاحب نے کھاتے ہی فرمایا کہ کھانے میں دہوئیں کی تلخی ہے اس حالت میں اگر مرزا صاحب یہ فرمائیں کہ مجکو مخلوق سے اسقدر ایذا ہوتی ہے جو کسی مربی یا مصلح کو نہوئی ہوگی تو یقیناً انکی تصدیق کیجائے گی۔ مرزا صاحب کے واقعات سے اس حدیث کی شرح ہوتی ہے اوذیت فی اللہ مالم یوءذ احدٌ جب حضور کے خدام میں ایسے ایسے لطیف المزاج گذرے ہیں تو پھر حضور کی لطافت کا تو کیا پوچھنا میں نے حضرت حاجی صاحب سے یہ حکایت سنی ہے کہ ایک شخص نے دہلی میں چار حضرات کی دعوت کی تھی جس سے مقصود امتحان تھا اُسوقت دہلی میں چار بزرگ موجود تھے۔ ایک حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ایک خواجہ میر درد صاحب ایک مرزا صاحب ایک مولانا فخر نظامی صاحب یہ بزرگ عجیب تھے انکی وضع حقیقۃً تو شرع کے خلاف نہ تھی مگر ظاہری حالت انکی ایسی تھی جو لوگوں کو خلاف معلوم ہوتی تھی اہل اللہ میں ایک جماعت ایسی بھی ہوتی ہے جو ظاہری وضع سے ناواقفوں کو خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں انکو آجکل فرقہ ملامتیہ کہا جاتا ہے اور اسمیں کوئی اعتراض کی بات نہیں کیونکہ ایک باغ کے پھول مختلف ہوتے ہیں پھل بھی مختلف ہوتے ہیں درخت مختلف ہوتے ہیں بلکہ بعض دفعہ خود ایک ہی درخت کے پھل مختلف ہوتے ہیں ایک شاخ کا پھل شیریں ہے اور دوسری شاخ کا ترش ہے یہی حال خدا تعالیٰ کے باغ کا ہے کہ اُسمیں بھی مختلف درخت اور مختلف پھل ہیں بلکہ حق تعالیٰ کے باغ کی ایک عجیب شان یہ ہے کہ ایک ہی درخت مختلف موسموں میں مختلف قسم کے پھل لاتا ہے عارفین پر مختلف حالات گذرتے ہیں اور یہ تلوین ناقصین ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ تلوین کا

کاملین کو بھی پیش آتی ہے یہانتک کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی پیش آتی ہے یعقوب علیہ السلام کی شیخ شیرازی نے یہ حالت لکھی ہے ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم، گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ایک تو وہ وقت تھا کہ مصر سے قاصد پیراہن یوسفی لیکر چلا اور کنعان میں آپکو اُسکی خوشبو پہنچگئی اور حاضرانِ مجلس سے فرمادیا انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون یعنی اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے سے حواس میں فتور آگیا ہے تو میں ایک بات کہوں وہ یہ کہ مجھے یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے یہاں تو مصر سے پیراہن کی خوشبو کا احساس ہوگیا اور ایک وہ وقت تھا کہ خود یوسف علیہ السلام کو اُنکے بھائیوں نے کنعان کے جنگل میں ایک کنوئیں کے اندر قید کردیا اور چند روز تک وہ اُسی میں رہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کو خبر نہوئی۔ یہ بھی خبر نہ تھی کہ یوسفؑ زندہ ہیں یا نہیں صدمۂ فراق میں اتنے روئے کہ آنکھیں جاتی رہنے کے قریب ہوگئیں اسکے متعلق کوئی روایت تو نہیں ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں رونیسے نابینا ہوئی تھیں بلکہ صرف کمزور ہوگئی تھیں مگر بعض مفسرین نے وابیضت عیناہ کی بھی تفسیر کی ہے اور درایت سے راجح بھی ہی۔ درایت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے عیوب سے منزہ ہوتے ہیں جو عرفاً عیب شمار ہوں کیونکہ یہ امر متکبرین کو اتباع سے مانع ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت اسی غرض کیلئے ہوتی ہے کہ لوگ اُن کا اتباع کریں چنانچہ ارشاد ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ جسکے لوازم میں سے ہے موانع اتباع کو مرتفع کردینا اسلئے انبیاء علیہم السلام میں کسی ایسے عیب کا ہونا جو عرفاً متکبرین کو اتباع سے مانع ہو اس آیت کے خلاف ہے (مگر بعض مفسرین نے آیت کو ظاہر پر رکھا ہے کہ بیاض عین سے متبادر یہ ہے کہ بینائی بالکل زائل ہوگئی تھی اور اسکے بعد فارتد بصیراً سے بھی بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے اور اس آیت کا جواب یہ دیا ہے کہ عرفاً نابینائی سبب عار وہ ہے جو خلقی ہو اور کسی عارض سے نابینا ہوجانا سبب عار نہیں جیسے پیدائشی لنجا ہونا عیب ہے اور لڑائی وغیرہ میں ہاتھ کٹنے سے لنجا ہوجائے تو عرفاً یہ عیب نہیں ۱۲ جامع) اور اسی واسطے یحییٰ علیہ السلام کے بارہ میں جو حصوراً آیا ہے اسکی تفسیر بعضوں نے عنین سے کی ہے محققین نے اسکو غلط بتلایا ہے اور دلیل یہی بیان کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے عیوب سے منزہ ہوتے ہیں

بلکہ حصور کے معنی ہیں نفس کو روکنے والا یعنی یحییٰ علیہ السلام اپنی نفسانی خواہشوں کو دبانیوالے ہوں گے اسلیئے وہ کسی عورت سے نکاح نکریں گے اور لغت سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حصر کے معنی روکنے کے ہیں۔ حصور اسی سے مبالغہ کا صیغہ ہے اسکے معنی ہیں عنین کہنا صحیح نہیں۔ باقی اُن کے نکاح نکرنیسے اسپر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اس صفت میں مثل یحییٰ علیہ السلام کے تھے کہ انھوں نے بھی عمر بھر نکاح نہیں کیا اُنکی شریعت میں قادر علی النفس کیلیئے اشتغال بالطاعات اشتغال بالنکاح سے افضل تھا جیساکہ ہماری شریعت میں بھی امام شافعی رح کے نزدیک یہی افضل ہے مگر امام اعظم حنیفہ نے اسکی مخالفت کی ہے اُنکے نزدیک اشتغال بالنکاح افضل ہے بشرطیکہ مہر و نفقہ پر حلال طریقہ سے قادر ہو۔ ۱۲ جامع

مگر حدیث میں ہے کہ نزول من السماء کے بعد وہ نکاح کرینگے (اتباعاً لسنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وفیہ تائید لقول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ان فی شرعنا الاشتغال بالنکاح افضل لو کان کما یقول السید الشافعی رح لبقی عیسیٰ علیہ السلام علی شرعۃ ۱۲ جامع) اور اسکی ساتھ یہ لفظ بھی ہے ویولد لہ یعنی نکاح کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے اولاد بھی ہوگی معلوم ہوا کہ قوت رجولیت اُن میں موجود تھی مگر پہلے کام نلیا اب کام لیں گے بوجہ اتباع شریعت محمدیہ کے کہ اس شریعت میں اشتغال بالطاعات سے اشتغال بالنکاح افضل ہے پس یحییٰ علیہ السلام کا نکاح نکرنا دلیل عنت نہیں ہوسکتا حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق بھی سیر میں ہے کہ وہ نابینا تھے مگر سوائے روایت سیر کے اسپر کوئی دلیل نہیں اس لئے اسکو تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے متکبرین کے لئے اتباع سے ایک مانع ہوگا۔ اور اسی لئے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اعلیٰ نسب اور اعلیٰ خاندان میں مبعوث فرمایا ہے تاکہ کسی کو اتباع سے عذر کرنیکا موقعہ نرہے۔ اولیا تو چھوٹی قوموں میں ہوسکتے ہیں بلکہ زیادہ ہوتے ہیں مگر انبیاء چھوٹی قوموں میں کبھی نہیں ہوئے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ چھوٹی قوموں میں جو اولیا رہے ہیں وہ زیادہ تر وہی ہیں جنکے متعلق ارشاد و تبلیغ کا زیادہ کام نہیں ہوتا اور جن اولیاء کے متعلق زیادہ تر ارشاد و تبلیغ کا کام ہوتا ہے وہ چھوٹی قوموں میں نہیں ہوتے بلکہ اکثر خاندانی لوگ ہوتے ہیں جو نسب میں ممتاز ہوں اس نکتہ پر مجھے ایک بزرگ نے متنبہ کیا جنکا نام حاجی عبداللہ تھا

وہ کرانہ کے رہنے والے تھے اور قوم کے گوجر تھے بہت نیاب آدمی تھے اور بالکل ان پڑھ میں ایکبار
اُنکے سامنے اپنی قوم کی یعنی شیخزادوں کی مذمت کررہا تھا کہ اس قوم میں ہوشیاری چالاکی
اور تکبر بہت ہے اسی قسم کی باتیں میں کرتا رہا تھا وہ بزرگ کہنے لگے کہ تمنے اس قوم کے عیوب
تو گنا دیئے خوبیاں بھی تو گناؤ میں نے کہا حضرت وہ آپ بیان کردیجئے کہنے لگے کہ میں
جاہل آدمی ہوں اور کچھ تو جانتا نہیں مگر اتنی بات تو میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانہ میں جن
بزرگوں کے ہاتھ سے دین کی خدمت واشاعت ہوئی ہے اور جنکے فیض سے مخلوق کی
اصلاح زیادہ ہوئی ہے وہ اکثر اسی قوم میں سے ہیں پھر چند بزرگوں کے نام گنائے جو سب
شیخزادے ہی تھے پھر جو میں نے غور کیا تو یہ بات صحیح معلوم ہوئی اور راز اسمیں یہ ہے کہ جو حضرات
خدمت ارشاد پر ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کیطرح مقتدا ہوتے ہیں اسلئے انبیاء کی طرح ایسے
اولیاء بھی اکثر خاندانی اور شریف النسب ہوئے ہیں تاکہ انکی اقتداء سے متکبرین کو عار نہو بخلاف
اُن اولیاء کے جنمیں مقتدائیت کی شان نہیں ہوتی تو وہ چھوٹی قوموں میں بھی ہوتے ہیں بلکہ
زیادہ ہوتے ہیں۔

الغرض یعقوب علیہ السلام کے متعلق بعض محققین کی رائے یہی ہے کہ وہ نابینا نہوئے تھے
بلکہ روتے روتے بینائی کمزور ہوگئی تھی (انھوں نے ابیضت عیناہ کو ضعف بصر پر محمول
کیا ہے اور فارتد بصیرا سے اسی ضعف کا زوال مراد لیا ہے۔ ولا یبعد ارادتہ للحکمۃ
التی ذکرناھا ۱۲ جامع) تو دیکھئے یعقوب علیہ السلام کو ابتداء میں یوسف علیہ السلام کی اطلاع
نہیں ہوئی کہ وہ کس حال میں ہیں حالانکہ اُسوقت وہ کنعان ہی کے کنوئیں میں تھے پھر اسکے
بعد عرصہ تک معلوم نہوا کہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں اور بعد میں مصر سے قمیص کے روانہ ہوتے
ہی خوشبو پہونچگئی اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی ایک وقت میں اور شان تھی اور ایک
وقت میں اور شان تھی یہی میں کہہ رہا تھا کہ تلوین انبیاء علیہم السلام کو بھی پیش آئی ہے ایک
نبی کو مختلف اوقات میں مختلف حالات پیش آتے تھے اور یہ بات سالکین کو بھی پیش آتی
ہے رہا چند انبیاء کے حالات میں اختلاف ہونا یہ تو مشاہد ہے کسی میں کوئی رنگ غالب تھا
کسی میں کوئی رنگ غالب تھا سبکے الوان متحد نتھے پس اسی طرح اولیاء میں بھی مختلف شانیں

ہوتی ہیں اُنمیں ایک شان وہ بھی ہے جو مولانا فخر نظامی کی تھی کہ وہ ایسی وضع سے رہتے تھے جسپر عوام کو خلاف شرع ہونیکا وہم ہوتا تھا مگر واقع میں وہ خلاف نہ تھے اسلئے کسی پر اعتراض کا حق نہیں سب باغ آلہی کے درخت ہیں کوئی کسی قسم کا کوئی کسی قسم کا اسمیں اعتراض کی کیا بات ہے ہاں اعتراض جب ہو سکتا ہے جب حقیقت میں شرع کی مخالفت ہو سو مولانا فخر نظامی ایسے نتھے وہ صرف وضع سوز تھے عزت و ناموس کو پھونکنے والے تھے شرع سوز نتھے غرض اُس شخص نے ان چار حضرات کو دعوت میں جمع کیا جب سب حضرات اُسکے گھر پر تشریف لیگئے تو اُس نے یہ حرکت کی کہ ان صاحبوں کو بہت دیر تک بٹھلایا پان وغیرہ سے خاطر تواضع کرتا رہا جب بہت دیر تک بٹھلالیا تو آخر میں سبکو ایک ایک آنہ دیدیا اور کہا کہ حضرت کھانیکا انتظام نہیں ہو سکا یہ ایک آنہ لیجیے اور بازار سے کچھ لیکر کھا لیجیے خواجہ فخر نظامی نے تو ایک آنہ کے پیسے سر پر رکھے اور داعی کو بہت دعائیں دی۔ اور خواجہ میر درد اور شاہ ولی اللہ صاحب نے نہ دعائیں دی نہ بُرا بھلا کہا نہ پیسوں کو سر پر رکھا دونوں خاموش چلے گئے خواجہ میر درد محض شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ بڑے کامل ولی ہیں انکی کتاب علم الکتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑے عارف ہیں اس کتاب میں انھوں نے معارف منازل بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اور مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس بیہودہ حرکت سے سخت تکلیف پہونچی مگر بہت تحمل سے کام لیا عارفین لطافت مزاج کیساتھ متحمل بھی دوسروں سے زیادہ ہوتے ہیں اس موقع پر اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا جو مرزا صاحب کی برابر نازک مزاج ہوتا تو معلوم کیا آفت برپا کرتا مگر آپ کے چہرہ پر بل بھی نہ پڑا پیسے لیکر اتنا فرمایا کہ میاں تندرستوں کو امتحان نہیں لیا کرتے معلوم کسوقت کیسا وقت ہے۔ اس واقعہ میں ظاہر بینوں کو خواجہ فخر نظامی کی حالت رفیع معلوم ہوتی ہوگی کہ انکو ناگوار واقعہ سے ایذا ہی نہوئی بلکہ فرحت و مسرت ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس واقعہ کو خدا تعالی کی طرف سے سمجھتے تھے اور ہر چہ از دوست میرسد نیکوست کا اُنکو مشاہدہ تھا اور انکی یہ حالت تھی ؎

چہ گر بدت رسد ز خلق مرنج | کہ نہ راحت رسد ز خلق مرنج
از خدا داں خلافِ دشمن و دوست | کہ دلِ ہر دو در تصرف اوست

اور اسی کی نظیر یہ ہے کہ بعض عارفین کے کسی عزیز کا انتقال ہو گیا تو وہ ہنستے تھے اور بعض عارفین کو رنج و غم ہوا وہ روتے تھے تو ظاہر بین پہلے شخص کو دوسرے سے افضل سمجھتے ہیں مگر واقع میں کمال یہ ہے کہ رنج کی بات سے رنج ہو۔ پھر اُس پر صبر و رضا حاصل ہو پس وہ عارف جسکو اپنے عزیز کے مرنے سے صدمہ ہوا اور وہ اس پر صبر کرکے راضی برضائے الٰہی رہا اس سے اکمل ہے جسکو رنج ہی نہوا بلکہ برعکس مسرت ہوئی اسی طرح اس واقعہ میں کمال حضرت مرزا صاحب کا ظاہر ہوا کہ باوجود ایذا رشدید پہونچنے کے نہایت تحمل سے کام لیا چہرہ پر بل بھی نہیں پڑا اور محض اس شخص کی اصلاح کیلئے اتنی بات پر اکتفا کیا کہ بزرگوں کا امتحان نہیں لیا کرتے نمعلوم کسوقت کیسا وقت ہے اور یہ بات کہ ایذا کی بات سے ایذا رہی نہو یہ غلبۂ حال ہے جس نے اقتضاآت بشریہ کو زائل یا مضمحل کر دیا ہے اور کمال مقصود یہ ہے کہ اقتضاآت بشریہ سب بدرجۂ کمال موجود ہوں پھر مستقل رہے کہ شریعت سے تجاوز نہوا اور یہ بات مرزا صاحب کو حاصل تھی کہ ان میں اقتضاء بشری بھی بدرجۂ کامل موجود تھا اور اتباع شرع بھی کامل تھا۔ تکلیف کی بات سے آنکو کلفت ہوتی تھی اور پھر صبر فرماتے اور تحمل سے کام لیتے تھے تو اس واقعہ میں مولانا فخر نظامی صاحب حال تھے اور بقیہ حضرات صاحب مقام تھے اور انمیں حضرت مرزا صاحب کو چونکہ لطافت مزاج کی وجہ سے ایذا زیادہ پہونچی اس لئے ان کا تحمل سب کے تحمل سے بڑھا ہوا تھا اور جو یہ کہا گیا ہے۔ جو گزند رسد ز خلق مرنج اسکا مطلب یہ ہے کہ عقلی رنج نہونا چاہیئے یہ مطلب نہیں کہ طبعی رنج بھی نہونا چاہیئے اسی طرح ہر چہ از دوست میرسد نیکوست کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے جو کچھ پیش آوے اس کو عقلاً بہتر سمجھنا چاہیئے اور یہ سمجھکر اسپر راضی رہنا چاہیئے یہ مطلب نہیں کہ بیماری اور صحت کو یکساں سمجھا کرو دونوں میں کچھ فرق ہی نکرو غرض آثار بشریہ کا زائل یا مضمحل ہو جانا کمال نہیں بلکہ ان کا بدرجۂ کمال موجود ہونا اور پھر مستقل رہنا یہ کمال ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں روحانی آثار کے ساتھ آثار بشریہ بھی بدرجۂ کمال موجود تھے اسلیئے آپکو ایذا کی بات سے ایذا ہوتی تھی رنج کی بات سے رنج بھی ہوتا تھا پھر لطافت مزاج کی وجہ سے آپکو دوسروں سے زیادہ رنج ہوتا تھا پھر سب باتوں پر صبر و تحمل فرمانا اور اخلاق میں تغیر نہ آنا

یہ آپکا غایت درجہ کمال تھا اگر آپ کو ایذا اور رنج ہی نہ ہوتا تو پھر اخلاق میں تغیر نہ آنا ٹرا
کمال نہ تھا کمال یہی ہے کہ ایذا کا احساس کامل ہوا پھر بھی اخلاق کریمانہ میں ذرا تغیر نہ آیا
اور یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو اسکی تمنا کرتے ہیں کہ ہمارے نفس میں دنیا
کی طرف میلان ہی نہ رہے گناہ کا وسوسہ بھی نہ آئے بس بالکل پتھر بنجائیں کہ کسی حسین
کو دیکھکر میلان ہی نہ ہو سو یاد رکھو یہ کمال نہیں کمال یہی ہے کہ آثار بشریت اور قوت
میلان کے ہوتے ہوئے پھر مستقل رہو مولانا فرماتے ہیں ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است — کہ ازو حمام تقوی روشن است

یعنی شہوت دنیا کی ایسی مثال ہے جیسے حمام کیلئے ایندھن اور ظاہر ہے کہ حمام بدون
ایندھن کے گرم نہیں ہوسکتا اسی طرح تقوی کے حمام کی گرم بازاری اسی شہوت دنیا
سے ہے تو یہ شہوات دنیا موجب نقص نہیں بلکہ یہی موجب کمال ہیں ٹاٹے کا پردہ زانی ہو
تو کیا کمال ہے اندھا نظر بد نکرے تو کیا کمال ہے وہ تو دیکھنا بھی چاہے تو آنکھیں کہاں سے
۴۰ لائے۔ لنگڑا آدمی ناچ میں نہ جائے تو کیا کمال ہے کمال یہی ہے کہ خدا نے تمکو آنکھیں دی
ہیں اور پھر تم غیر محل میں انکو استعمال نہیں کرتے قوت رجولیت دی ہے اور محل حرام میں
اسکو صرف نہیں کرتے چلنے کیلئے پیر دئے ہیں پھر بھی ناچ میں نہیں جاتے حُسن کا ادراک اور اسکی طرف
میلان طبیعت میں ہے پھر بھی نامحرم کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے اور جسکو حسن کا ادراک ہی نہ ہو اُس کا نہ
دیکھنا کیا کمال ہے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایکبار ارشاد فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی جب
پیو ٹھنڈا پینا ہر بُن مو سے الحمد للہ نکلے گا اور گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کہے گی مگر اندر سے دل ساتھ
نہ دیگا پھر فرمایا کہ جسطرح ٹھنڈا پانی نعمت ہے اسی طرح پیاس بھی نعمت ہے کیونکہ اس سے نعمت کی قدر ہوتی ہے
سبحان اللہ یہ ہیں علوم اس ارشاد سے پیاس کا نعمت ہونا معلوم ہوا حالانکہ وہ بھی آثار بشریت
اور شہوات دنیا میں سے ہے۔ پس حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اندر آثار بشریت کا ہونا بھی موجب
کمال تھا اگر آپ میں آثار بشریت نہ ہوتے تو پھر کفار کی ایذاؤں پر صبر کرنا زیادہ موجب کمال نہ ہوتا
اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل میں نے اسلئے کی کہ شاید کسی کو بعض مغلوب الحال اولیاء کے واقعات
سنکر اور یہ دیکھکر کہ انکو ایذا رساں واقعات سے ایذا ہی نہ ہوتی تھی یہ شبہ ہو جائے کہ یہ حالت اکمل ہے

تو وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ حالت اکمل نہیں بلکہ اکمل یہی حالت ہے کہ آثار بشریت موجود رہتے ہوئے پھر انپر
قابو یافتہ ہو اور ظاہر ہے کہ جس شخص میں بشریت کیساتھ لطافت کامل ہوگی۔ اسکو ناگوار باتوں سے
ایذا زیادہ ہوگی چونکہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں کمالات نبوت کیساتھ لطافت بھی سب
انبیاء سے زیادہ کامل تھی اسلئے آپکو سب سے زیادہ اذیت پہونچی۔ اب دوسری علت آپکی اذیت
کی عرض کرتا ہوں جو نظر غائر سے معلوم ہوتی ہے گو وہ بھی نصوص ہی سے مفہوم ہے مگر قدرے
استنباط کی حاجت ہو اور یہی وہ بات ہے جسکے متعلق شروع میں کہا گیا تھا کہ نظر غائر سے آپکی
اصلی کلفت روحانی تھی اور وہ یہ ہے کہ آپکو امت کیساتھ شفقت بیحد تھی جو جابجا آیات سے
بھی معلوم ہوتی ہے اور پھر اسکے دو درجے ہیں ایک تو اپنی امت کی مطلق تکلیف سے قلق یہ تو
منصوص ہے دوسرا درجہ یہ کہ وہ تکلیف میرے سبب سے ہو کہ وہ میری تکذیب کریں اور معذب
ہوں تو گویا میری وجہ سے انکو عذاب ہوگا بس یہ خیال کہ میری وجہ سے مخلوق کو عذاب ہوگا
آپ پر پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور یہ درجہ محتاج استنباط ہے حدیثوں میں یہ تو تصریح ہے ما انتقم رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لنفسہ فی شیٔ قط (متفق علیہ) اور طائف کے واقعہ میں وارد ہے ۱
کہ جب وہاں آپکو کفار نے تکلیف دی تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا ان اللہ قد سمع قول
قومک وما ردوا علیک اور یہ بھی کہا کہ یہ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے آپ اسکو جو حکم دینگے
عمل کریگا۔ خود اس فرشتہ نے عرض کیا کہ میں انکو پہاڑوں کے درمیان دبا دوں آپنے فرمایا
بل ارجوا ان یخرج اللہ من اصلابہم من یعبد اللہ (متفق علیہ) اسمیں غور کرنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ اپنی وجہ سے بھی کسی کی تکلیف گوارا نہ تھی اور بعض جگہ جو آپ سے بددعا منقول ہے
وہ کسی عارض سے ہے اصل وغالب مذاق حضور اقدس کا یہی تھا شاید کسی ذہن کو یہاں یہ شبہ
ہو کہ اسمیں غم کی کیا بات تھی یہ تو حق العبد تھا آپ معاف فرما دیتے تو کچھ بھی مؤاخذہ نہ ہوتا تو
بات یہ ہے کہ اول تو آپکی ایسی مخالفت درجہ کفر میں تھی آپ کفر کو کیسے معاف فرماتے دوسری
یہ کہ محبوبیت کے درجے ہوتے ہیں ایک درجہ محبوبیت کا یہ ہے کہ محبوب کے ایذا دینے والے سے
ہر حال میں مؤاخذہ ہوتا ہے محبوب معاف بھی کردے جب بھی جرم معاف نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں
یہ کہ حق العبد میں حق اللہ بھی ہوتا ہے وہ عبد کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا اس

نکتہ سے اکثر لوگ غافل ہیں عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حق العبد میں محض بندہ ہی کا حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق نہیں ہوتا یہ غلط ہے کیونکہ بندہ کا وہ حق اللہ تعالیٰ ہی نے تو مقرر فرمایا ہے مثلاً حکم دیا ہے کہ مظلوم کی امداد کرو کسی مسلمان کی غیبت نہ کرو کسی کو ایذا نہ دو تو جب ان احکام کے خلاف کسی کو ایذا دیجائے گی تو جیسے بندہ کا حق فوت کیا ایسے ہی خدا تعالیٰ کا حق بھی فوت کیا ہے کہ انکے حکم کی مخالفت کی اسلئے حقوق العباد تلف کرنے میں محض بندوں کی معافی کافی نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے بھی توبہ و استغفار کرنا چاہیے ۔ تو اگر حضور کی معافی سے آپکا کوئی حق جو معافی کے قابل ہوتا معاف بھی ہو جاتا تو حق اللہ تو پھر بھی باقی تھا جسکی وجہ سے مؤاخذہ ہو سکتا تھا ا اور گو عام حقوق العباد میں بندہ کی معافی کے بعد حق تعالیٰ اکثر اپنا حق بھی معاف کر دیتے ہیں مگر بعض اوقات محبوبان خاص کی حق تلفی میں انکی معافی کے بعد حق تعالیٰ اپنا حق معاف نہیں فرماتے بلکہ مؤاخذہ ضرور ہوتا ہے ۱۲ جامع) تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی اس حالت سے رنج ہوتا تھا اور بھلا حضور کی تو بڑی شان ہے حضرات اولیاء اللہ میں بعض بزرگ ایسے محبوب ہوئے ہیں کہ انکے ایذا دینے والوں پر قہر حق متوجہ ہوتا تھا اور باوجودیکہ وہ سبکو معاف کر دیتے تھے اور حق تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے کہ ہماری وجہ سے کسی پر مؤاخذہ نہو مگر یہ درخواست قبول نہوتی تھی چنانچہ حضرت مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قصہ اور یاد آیا کہ آپ لوگوں سے بہت کم ملتے تھے کسی نے اسکی وجہ دریافت کی کہ حضرت آپ الگ الگ کیوں رہتے ہیں فرمایا کہ بھائی مجھے لوگوں کی بدتمیزیوں سے بہت تکلیف ہوتی ہے اور میری ایذا کی وجہ سے حق تعالیٰ کا انتقام ان لوگوں پر متوجہ ہو جاتا ہے میں نے بہت دعا کی کہ میری وجہ سے کسی پر بلا نازل نہو مگر یہ دعا منظور نہیں ہوتی اسلئے اب میں نے ملنا ہی کم کر دیا کہ نہ ملونگا نہ کوئی مجھے ایذا دیگا نہ میری وجہ سے کسی پر مؤاخذہ ہوگا ۔ سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی اور مخلوق کے حال پر کس درجہ شفقت تھی واقعی لوگوں کو قہر سے بچانیکی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ آپ ہی ملنا ترک کر دیں کیونکہ آپ نظافت فطری اور لطافت ذکری کی وجہ سے اتنے نازک واقع ہوئے تھے کہ لوگوں سے آپ کے مزاج کی رعایت دشوار تھی اس نزاکت کے متعلق ایک واقعہ اور یاد

آیا مرزا صاحب کے ایک مخلص مرید تھے وہ ہر سال میں دوبار حاضر خدمت ہوتے تھے اور کئی کئی دن تک قیام کرتے تھے ایک سال جو حاضر ہوئے تو انکو محبت کا جوش ہوا مرزا صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ مجھسے کوئی فرمائش فرمائیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ بھائی کیا فرمائش کروں بس تم محبت سے ملنے آجاتے ہو یہی کافی ہے اُس نے اصرار کیا کہ حضرت نہیں کچھ فرمائش ضرور فرمایئے جب بہت اصرار کیا تو فرمایا اچھا بُرا تو نمانوگے اُس نے کہا حضرت بھلا آپ فرمائش فرمائیں اور میں بُرا مانوں کیا مجال۔ فرمایا بھائی تمھارے اصرار پر یہ فرمائش کرتا ہوں کہ تم میرے پاس سال میں بجائے دو مرتبہ کے ایک مرتبہ آیا کرو۔ وہ بچارا سہم گیا کہ شاید مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں فرمایا کہ میں ناراضی کی وجہ سے یہ بات نہیں کہتا بلکہ بات یہ ہے کہ تم کھاتے بہت ہو اور تمہیں اتنا کھاتے ہوئے دیکھکر میری طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور اس کے تصور سے میرے پیٹ میں ایسا خلل واقع ہوتا ہے کہ تمھارے جانیکے بعد مجھے مسہل لینا پڑتا ہے تو سال میں ایک بار مسہل لے لینا تو آسان ہے دو بار بڑا مشکل ہے۔ اس راز کو سُنکر اس شخص کا فرمائش کرکے بہت جی خوش ہوا ہوگا؟ کہ اس سے تو فرمائش ہی نکرتا مگر نہیں طالب کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر شیخ ساری عمر صورت دکھانیکو منع کردے تو اسپر بھی راضی رہے اور یہ کہے ؎

میل من سوئے وصال و میل اوسوئے فراق ۔ ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

اور یوں کہے ؎

ارید وصالہ و یرید ھجری ۔ فاترک ما ارید لما یرید

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی بن حرب قاتل حمزہ رضی اللہ عنہما سے جب وہ اسلام لاکر حاضر خدمت ہوئے یہ فرمایا ھل تستطیع ان تغیب وجھک عنی۔ کیا تم مجھے اپنے چہرہ کو غائب رکھ سکتے ہو؟ انھوں نے بدل و جان اس ارشاد کو قبول کیا اور عمر بھر آکر صورت نہ دکھائی۔ ہائے کیا انکے دل پر سانپ نہ لوٹتا ہوگا کیسے کیسے عشق کے سارے اٹھتے ہوں گے بھلا صحابی کو حضور کے دیدار سے صبر ہو سکے بہت سخت مجاہدہ ہے مگر حضرت وحشی نے طلب رضا کیلئے سب کچھ جھیل لیا اپنی جان پر مشقت گوارا کی مگر حضور کو تکلیف

نہیں دی کیونکہ آپکو انکی صورت دیکھکر اپنے چچا کی یاد تازہ ہوتی تھی اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے مریدنے اس ارشاد کو بدل و جان قبول کیا بلکہ اگر سچا عاشق ہوگا تو سال میں ایک دفعہ کا آنا بھی ترک کردیا ہوگا یا بہت کھانیکی عادت چھوڑدی ہوگی۔ حضرت مرزا صاحب کا ایک اور واقعہ یاد آیا کہ آپ کی خدمت میں مولانا غلام یحیٰی بہاری جنکا حاشیہ رسالہ قطبیہ پر مشہور ہے حاضر ہوئے انکی ڈاڑہی بہت بڑھی تھی کہ ایک مشت سے بھی بہت زیادہ تھی بعض لوگوں کو ڈاڑہی بڑہانیکا شوق ہوا کرتا ہے پس مرزا صاحب کے جو سامنے پہونچے اور آپکی نظر انکی ڈاڑہی پر پڑی فوراً آنکھوں پر ہاتھ دہر لیا اور فرمایا جلدی کہو جو کچھ کہنا ہے کیسے آئے ہو عرض کیا کہ بیعت ہونے آیا ہوں فرمایا پیر و مرید میں مناسبت شرط ہے اور آدمی اور ریچھ میں کوئی مناسبت نہیں۔ مجھ سے آپکو فیض نہو گا۔ مولانا غلام یحیٰی نے ایسی بات کب سنی تھی وہ تو مولانا اور مقتدا بنے ہوئے تھے اس جواب پر خفا ہو کر چلے گئے کہ ہم کسی اور سے بیعت ہو جائیں گے کوئی آپ ہی ایک شیخ نہیں رہ گئے۔ کہنے کو تو کہہ گئے مگر سارے جہاں میں مرزا صاحب جیسا کوئی نملا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں کوئی اور شیخ ہی نتھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی سے مناسبت نہوئی بس وہ حال تھا ؎

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ماہے | چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

اور مناسبت کا ہونا نہونا کسی کے اختیار میں نہیں یہ تو عالم ارواح میں ہو چکی ہے چنانچہ حدیث میں ہے الارواح جنود مجندة ماتعارف منہا ائتلف وماتناکر منہا اختلف۔ ارواح لشکر جمع کردہ ہیں جنمیں وہاں آشنائی ہو چکی ہے وہ باہم مالوف و مانوس ہیں اور جنمیں وہاں تناکر اور تنافر ہو چکا ہے وہ یہاں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ عورتیں اس مسئلہ کو خوب سمجھتی ہیں جب کسی لڑکی کا نکاح بُری جگہ ہو جاتا ہے تو ان کو زیادہ رنج نہیں ہوتا بلکہ یوں کہتی ہیں کہ سنجوگ یوں ہی ملا ہوا تھا اور کہتی ہیں کہ اللہ میاں نے جوڑیاں بلدی ہیں جسکا جوڑ جسکو بنایا ہے اسی سے نکاح ہوتا ہے۔ اسی طرح مریدین و مشائخ میں بھی جوڑیاں ملی ہوئی ہیں جسکو جس سے مناسبت ہوتی ہے اسی سے تعلق حاصل کرتا ہے شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ترکستان سے شیخ کی تلاش میں چلے مگر کوئی ایسا

بزرگ تھا جس سے مناسبت ہو آخر ہندوستان پہونچکر شیخ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ
سے مناسبت ہوئی اور اُن سے ہی فیض ہوا آخر کار مولانا غلام یحییٰ بعد میں پھر آئے اور اسوقت
ڈاڑھی ٹھیک کر کے آئے یعنی ایک مشت سے جو زائد تھی اُسکو ترشوا دیا۔ مرزا صاحب نے
فرمایا کہ ہاں اب آدمیوں کی صورت سے آئے ہو اب مجھسے مناسبت ہو جائے گی چنانچہ
بیعت فرمایا اور خانقاہ میں رکھا پھر تو یہ حال ہو گیا ؎ جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے اوسے
صاف دل سے بھلا دیا ٭ چنانچہ مرزا صاحب سے رخصت ہو کر جب مولانا غلام یحییٰ لکھنؤ
پہونچے تو وہاں کسی استاد شاگرد میں رسالہ قطبیہ کے حاشیہ میں ایک مقام پر اختلاف ہو رہا
تھا انکو معلوم ہوا کہ خود مصنف لکھنؤ میں آئے ہوئے ہیں تو خیال ہوا کہ چلو مصنف ہی سے
اسکو حل کیا جائے یہاں جو آئے اور مولانا کو وہ مقام دکھلایا تو کچھ دیر غور کر کے فرمایا کہ میری
بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اللہ اکبر علوم رسمیہ کو کیسا دل سے نکالا کہ اپنی تصنیف کو بھی نہ سمجھ سکے
میں مرزا صاحب کی لطافت مزاج کا ذکر کر رہا تھا کہ مولانا غلام یحییٰ کی فوق الحد ڈاڑھی دیکھکر آپ پریشان
ہو گئے اور بیعت سے انکار کیا۔ غرض اسقدر نازک مزاج تھے کہ بادشاہوں کا دماغ بھی ایسا
نازک نتھا اور اسمیں لطافتِ ذکر کا بھی اثر تھا اللہ کا نام لینے سے مزاج میں لطافت بڑھجاتی
ہے پھر ایسے شخص کو مخلوق کی بےتمیزی سے کلفت ضرور ہو سکتی ہے اور اُسپر حق تعالیٰ کی
طرف سے انتقام بھی ہو سکتا ہے اسلئے مرزا صاحب مخلوق سے نہ ملتے تھے جب حضور کے
غلاموں کی لطافت کا یہ حال تھا تو حضور کی لطافت کا تو کیا حال ہوگا آپکی شان تو بہت
عالی و رفیع ہے آپ کو ایذا دینے والا مواخذہ حق سے کب بچ سکتا ہے اسلئے بھی حضور کو
سخت کلفت ہوتی تھی کہ میری وجہ سے مخلوق پر مواخذہ ہو کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم
کی شفقت کچھ امت اجابت کے ساتھ مخصوص نتھی امت دعوت پر بھی آپکو بیحد شفقت
تھی ملا دوپیازہ نے ایک ال نامہ لکھا ہے اسمیں ایک جملہ یہ بھی ہے الرسول خیر خواہ
دشمنان واقعی انبیاء علیہم السلام کی شان یہی ہے کہ وہ دشمنوں سے بھی نہایت شفقت
و خیر خواہی کرتے ہیں چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد اپنی قوم کے ہلاک ہونیکے
بعد قرآن مجید میں مذکور ہے فتولی عنھم وقال یا قوم لقد ابلغتکم رسالات ربی

ونصحت لکم فکیف آسی علی قوم کافرین ۵ اسمیں فکیف آسی اپنے دل کو سمجھانے کیلئے فرمایا در اصل اُنکو اپنی قوم کی بدحالی پر صدمہ اور رنج تھا جسکو لقد ابلغتکم رسالات ربی ونصحت لکم کے بعد ظاہر کرنا چاہتے تھے مگر بجائے اظہار حزن کے اپنے دلکو سمجھاتے ہیں کہ کافر قوم پر کیا افسوس کروں اس سے معلوم ہوا کہ آپکو صدمہ سخت ہوا تھا جسکی وجہ سے دل کو بھلانا پڑا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولقد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون فانھم لا یکذبونک ولکن الظلمین بایات اللہ یجحدون ۵ اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کو کفار کی حالت سے بہت صدمہ اور رنج تھا اور ظاہر ہے کہ رنج وہیں ہوتا ہے جہاں شفقت ہو اگر حضور کو امت دعوت کے حال پر شفقت نہ ہوتی تو اُنکی بدحالی پر رنج کیوں ہوتا اور بہت آیتوں میں آپکا حزن مذکور ہے اور احادیث میں تو اس شفقت کی بہت ہی تصریح ہے چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اور تمہاری مثال اُس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی جسپر پروانے گرنے لگے اور وہ چاروں طرف سے اُنکو ہٹاتا ہے اسی طرح تم سب جہنم کی آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑکر اس سے ہٹاتا ہوں اور تم میرے ہاتھ سے نکلے جاتے ہو اور اسمیں گرتے ہو۔ غرض اس سے حضور کو سخت تکلیف ہوتی تھی کہ لوگ اپنے ہاتھوں جہنم میں جاتے ہیں حق تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین ۵ اور ایک مقام پر ارشاد ہے لعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا۔ غرض یہ ہے کہ آپکو سخت ایذائیں پہونچی تھیں جنکے متعلق اس آیت میں حق تعالیٰ نے آپکی تسلی فرمائی ہے فرماتے ہیں ان مع العسر یسرا اسمیں الف لام عہد کا ہے مطلب یہ ہے کہ جو ایذائیں اسوقت آپکو دیجارہی ہیں اور جو دشواری اسوقت موجود ہے اسکے بعد آسانی ہونیوالی ہے۔ یہ تفسیر حق تعالیٰ نے میرے قلب پر القاء فرمائی ہے اس سے بہت اشکالات رفع ہوگئے اگر لام عہد کیلئے نہ مانا جائے تو ایک اشکال تو یہ ہوتا ہے کہ ہم بہت سی مشکلات کو آسان ہوتے ہوئے نہیں دیکھتے جیسے مسلمانوں کی مصائب کے متعلق تو یہ جواب بھی دیسکتے ہیں کہ آخرت میں یُسر ہوجائیگا لیکن اگر العسر کو عام رکھا جائے تو اسمیں کفار کی مصائب

ای الفقیل یکون الالام فیہ للعہد ۱۲ جامع

دائمہ بھی داخل ہونگی اور ظاہر ہے کہ اور انکی مصائب قیامت میں بھی حل نہونگی اب لام کو عہد کیلئے ماننے سے کوئی اشکال نرہا لیکن اسپر یہ سوال باقی رہے گا کہ پھر بزرگوں نے اسکو عام طور پر ہر جگہ کیوں پیش کیا ہے جیسا کہ حضرت علی رضؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے اپنی پریشانی عرض کی تو آپنے فرمایا لن یغلب عسر یسرین اور ظاہر ہے کہ یہ اشارہ اسی آیت کی طرف ہے کہ ایک عسر دو یسر پر غالب نہیں آسکتا بوستان کے ان اشعار میں کسی مشکلے برو بیش علی الخ یہی حکایت مراد ہے بعض نے اس حکایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے جواب میں فرمایا تھا ؎

اذا ضاقت بك البلویٰ ففکر فی الم نشرح
فعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح

اسپر ایک شخص نے عرض کیا کہ یوں نہیں بلکہ اس طرح ہونا چاہیئے ؎ فیعسر العسر
یسران اذا فکرته فافرح + آپنے قبول فرمایا اور یہ دونوں شعر اسمیں تو مشترک ہیں کہ عسر ایک ہے اور یسر دو اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اصولی قاعدہ ہے کہ معرفہ کا اعادہ اگر تعریف کے ساتھ ہو وہ عین اول ہوتا ہے اور نکرہ کا اعادہ اگر تنکیر کی ساتھ ہوتا ہے تو وہ غیر اول ہوتا ہے .... تو آیت میں عسر تو ایک ہوا اور یسر دو ہوئے اسمیں تو دونوں شعر مشترک ہیں اور اسمیں مختلف ہیں کہ یہ دو یسر عسر واحد کے بعد ہیں یا اسکے طرفین میں ہیں مگر اشکال مذکور دونوں صورتوں میں ہے جواب یہ ہے کہ یہ قول اول تو بطریق اسناد حضرت علی سے ثابت نہیں اور ثابت بھی ہو تو یہ علم اعتبار کے طور پر ارشاد فرمایا ہوگا جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے معاملات کبھی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایک عسر کی ساتھ یا بعد دو یسر عطا فرماتے ہیں چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ یہ معاملہ نص سے ثابت ہوا اور دوسروں سے نفی نہیں تو امید رکھو کہ حق تعالیٰ تمسے بھی یہی معاملہ فرمائیں گے وانا عند ظن عبدی بی کو ملا کر یہ مضمون زیادہ قوی ہوگیا کہ اس امید سے انشاء اللہ تمھاری ساتھ ضرور ایسا ہی معاملہ ہوگا تو اس سے تسلی حاصل کرو یہ حاصل ہوگا حضرت علی رضؓ کے قول کا تو وہ میری تفسیر کے منافی نہیں۔ بہر حال ان آیت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔ نیز میرے ذوق میں ظاہر یہ ہے کہ اسمیں ان مع العسر یسرا کا تکرار محض تاکید کیلئے ہے اور تاکید میں نکتہ یہ ہے کہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں مختلف قسم کی تکلیفیں تھیں تو ایک مرتبہ ان مع العسر یسرا فرمانے سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید کسی خاص نوع عسر کے زوال کی خبر دی گئی ہے اسکے بعد یہ فکر ہوتا کہ معلوم کونسی عسر کے زوال کی خبر دی گئی ہے۔ تکرار جملہ سے یہ شبہ رفع ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ ہر قسم کے عسر کیلئے آسانی کا وعدہ ہے اور یہ استغراق عہد کے منافی نہیں مراد افراد معہودہ کا استغراق وعموم ہے اور لفظ مع میں نکتہ یہ ہے کہ گو مراد معنی بعد ہیں مگر لفظ بعد سے یہ وہم ہوتا کہ معلوم کتنی مدت کے بعد یسر ہو گا اسلئے لفظ مع اختیار فرمایا کہ کچھ زیادہ دیر نہیں ایسی بعدیت ہے کہ گویا معیت ہی ہے۔ یہ گفتگو تو تفسیر کے متعلق تھی اب میں اس آیت سے وہ مضمون بیان کرتا ہوں جو بطور کلیت کے اول میرے ذہن میں آیا تھا اور مضمون کلی سے حدیث اذا انتصف شعبان کی تائید بھی ہو جائے گی وہ مضمون کلی یہ ہے کہ ایک ضد کبھی دوسری ضد کے حصول کا سبب ہو جاتی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ ضد رافع ضد ہو جائے لان الضدین لا یجتمعان۔ مگر کبھی ضد جالب ضد بھی ہوتی ہے گو بواسطہ سہی واقعات میں اسکی نظیر یہ ہے جیسے پیاس لگی جس سے پانی کی تلاش ہوئی اور قاعدہ ہے من جد وجد جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے آخر پانی ملا تو پیاس بجھ گئی یہاں پیاس سیرابی کا سبب ہو گئی یہ اجمال بیان ہے اس مضمون کلی کا اب میں اول اسکی تفصیل بیان کرتا ہوں پھر آیت سے اسکا تعلق بیان کرونگا پھر اس حدیث کی تفریع اس مضمون کلی پر عرض کرونگا۔ اب سمجھئے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر جب دیکھا جائے تو اسکی تین حالتیں ہونگی یا تو دونوں میں مناسبت ہو گی یا منافات ہو گی یا نہ مناسبت ہے نہ منافات ہے یہ تو مطلق تعلق وعدم تعلق کے اعتبار سے تقسیم تھی اب دوسرے اعتبار سے تقسیم کرتا ہوں یعنی خاص تعلق سببیت کے اعتبار سے وہ یہ کہ ایک شئی یا تو دوسری شئی کے حصول کا سبب ہے یا رفع کا سبب ہے یا نہ سبب حصول ہے نہ سبب رفع ہے اسوقت میں اُن چیزوں سے تو بحث نہیں کرتا جنمیں باہم کوئی علاقہ ہی نہیں نہ مناسبت کا نہ منافاۃ کا کیونکہ جب انمیں کوئی تعلق ہی نہیں تو سببیت ومسببیت کا تعلق بھی نہ ہوگا اور میں اسوقت اسباب میں گفتگو کر رہا ہوں پس تقسیم اول اور تقسیم ثانی کی ایک ایک شق میری بحث سے خارج ہے صرف ہر تقسیم کی دو شقوں میں گفتگو ہے اب مختصر طور پر

یوں سمجھئے کہ اشیار میں باہم یا مناسبت ہے یا منافات ہے۔ پھر اُن میں سے یا تو ایک
دوسرے کے حصول کا سبب ہے یا رفع کا۔ غرض دو قسم کی چیزیں ہیں اور دو قسم کے اثر ہیں
احتمالات عقلیہ کل چار ہوئے جنکی تفصیل یہ ہے کہ ایک شئی یا دوسرے کی مماثل ہے۔ یا
منافی پھر ہر ایک میں دو احتمال ہیں یا تو ایک دوسرے کا جالب ہے یا سالب ہے۔ تو متماثلین
کی بھی دو قسمیں ہوئی ایک وہ جو مماثل آخر کا جالب ہے۔ دوسرے وہ جو اپنے مماثل کا سالب ہے اسیطرح
متنافیین کی بھی دو قسمیں ہوئیں یا تو منافی آخر کا جالب ہے یا سالب ہے ان چار صورتوں میں
دو احتمال تو قرین قیاس ہیں کہ مماثل جالب مماثل ہو اور منافی سالب منافی ہو۔ اور دو بعید از
قیاس ہیں کہ مماثل سالب مماثل ہو۔ اور ضد جالب ضد ہو۔ جو صورتیں قرین قیاس ہیں
اُن کا تو وقوع بکثرت ہے اور ظاہر ہے مثلاً سرد اشیار کے استعمال سے کسی شخص کے مزاج میں
برودت کا غلبہ ہو گیا تو مماثل جالب مماثل ہو گیا۔ اسی طرح یہ بھی بکثرت واقع ہے کہ برودت
کا غلبہ تھا اور حرارت سے کام لیا گیا تو ضد رافع ضد ہو گئی مگر عجائب قدرت سے یہ ہے کہ
دوسری دو صورتیں بھی واقع ہیں۔ کہ مماثل سالب مماثل ہو اور اسکو بھی بعض عقلار یعنی ۹
اطبار نے تسلیم کر لیا ہے چنانچہ ویدک اور طب ہندی کی بنا اسی پر ہے یہ لوگ علاج بالمثل
کرتے ہیں یعنی مثلاً حرارت کو ادویہ حارہ سے رفع کرتے ہیں اور تجربہ یہ ہے کہ اس طریق علاج سے
بھی نفع ہوتا ہے اور بہت ہوتا ہے اب یا تو انا عند ظن عبدی بی کے طور پر یہ نفع ہوتا ہو
(کہ بندہ خدا کیساتھ جو گمان کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکو پورا کر دیتے ہیں) یا اُن لوگوں کو یہ
مسئلہ منکشف ہو گیا ہے کہ مماثل بھی سالب مماثل ہوتا ہے اور کشف کوئی کمال دینی بھی
نہیں ورنہ ظاہر میں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن عقلار کے مان لینے سے ہمیں بھی زیادہ
بعد نہیں رہا۔ مگر حیرت در حیرت یہ ہے کہ احتمال رابع کا وقوع بہت ہی زیادہ ہے اور باوجود
اسکے عقلار میں سے اسکی طرف کسی کی نظر نہیں گئی کہ ضد جس طرح سے سالب ضد ہوتی ہے
اُسی طرح جالب ضد بھی ہوتی ہے اسکی طرف شریعت مقدسہ نے اشارہ کیا ہے جیسا عنقریب
بیان ہوتا ہے اسکی ایک نظیر تو میں نے اوپر بتلائی ہے کہ پیاس سیرابی کا سبب ہوتی ہے
بھوک سیر شکمی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ بھوک لگنے کے بعد کھانے کی تلاش ہوتی ہے پھر محنت

کرکے کھانا حاصل کیا جاتا ہے جسکے کھانے سے سیر شکمی ہوجاتی ہے۔ اور لیجئے مصائب سبب ہوجاتی ہیں رفع مصائب کا یا تو اس طرح کہ مصیبت کے بعد حصول راحت کی تدبیریں کیجاتی ہیں یا اس طرح کہ مصیبت پر صبر وتحمل کیا جاتا ہے والصبر مفتاح الفرج یعنی صبر کے بعد بہت جلد راحت حاصل ہوتی ہے۔ تو مصیبت سے صبر حاصل ہوا اور صبر سے راحت حاصل ہوئی اس طرح مصیبت سبب راحت کی ہوگئی۔ نیز کبھی جبن سبب ہوجاتا ہے شجاعت کا۔ کیونکہ بزدل آدمی کو دشمن سے خوف جو زیادہ ہوتا ہے تو وہ مقابلہ کے وقت مدافعت میں اپنی پوری قوت صرف کردیتا ہے اور شجاع بےخطر ہوتا ہے وہ اپنے مقابل کو زیادہ وقیع نہیں سمجھتا اسلئے معمولی طور پر حملہ کرتا ہے جس سے بعض دفعہ کمزور وبزدل غلبہ حاصل کرلیتا اور شجاع مغلوب ہوجاتا ہے پھر جب بزدل کو ایک دفعہ کسی بڑے بہادر کے مقابلہ میں کامیابی ہوجاتی ہے تو آئندہ کیلئے اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ جبن کی بدولت چند روز میں شجاع بنجاتا ہے اسی طرح غنا سبب ہوجاتا ہے افلاس کا۔ کیونکہ غنا سے بیفکری ہوتی ہے اور بیفکری میں فضول خرچی ہوتی ہے جس سے افلاس تک نوبت پہونچ جاتی ہے اور افلاس کا سبب غنا ہونا تو کثرت سے مشاہد ہے سو یہ امر عجائب میں سے ہے کہ ضد جالب ضد ہوتی ہے۔ اور سنئے حدیث میں آتا ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ یہاں پستی بلندی کا سبب ہوگئی اور لیجئے معاملات باطن میں کبھی قبض سبب ہوتا ہے بسط کامل کا کیونکہ حالت قبض میں یہ شخص توبہ واستغفار وگریہ وزاری کرتا ہے اور رضا حق پر راضی رہتا ہے جو صبر کا اعلی درجہ ہے والصبر مفتاح الفرج اسلئے قبض کے بعد پہلے سے بھی زیادہ بسط حاصل ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؏

چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں
تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

مولانا نے یہاں پر در وے بسط بیں فرمایا ہے کہ عین قبض میں تم بسط دیکھو جیسا کہ حق تعالی نے ان مع العسر یسرا فرمایا ہے اور جس طرح آیت میں مع بمعنی بعد ہے اسی طرح مولانا کے کلام میں در وے بمعنی بعد وے ہے جسکو مبالغۃً زیادت تسلی کیلئے در وے سے تعبیر فرمایا اور ہمارے حضرت حاجی صاحب نے ایک بات ایسی فرمائی تھی جس سے در وے بسط بیں اپنے

حقیقی معنوں میں بھی صحیح ہو سکتا ہے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب قلب پر وساوس وخطرات کا ہجوم ہو اور کسی طرح بند نہ ہوتے ہوں (اور یہی قبض کی حالت میں پیش آتا ہے ۱۲) تو تم اسوقت ان خطرات ہی کو حضور و جمعی کا اس طرح سبب بناؤ کہ یوں سوچو کہ خدا تعالیٰ کی کیا قدرت ہے کہ میرے دل میں ایک دریا خیالات کا بہا دیا جسکے بند کرنے سے بندہ عاجز ہے اسوقت تم ان خطرات ہی کا مراقبہ کرو اور انہی سے قدرت حق کا مطالعہ کرو اب یہ خطرات جو اول سبب بعد تھے سبب قرب بنجائیں گے اور عین قبض کی حالت میں درویے بسط بین کا منظر سامنے ہو جائیگا کہ وساوس بھی ہیں جو قبض ہے اور قدرت کا مشاہدہ بھی ہے جو بسط ہے سبحان اللہ یہ ہیں علوم جنکو علوم کہنا چاہیے رہیے قبض کے بعد جو بسط ہوتا ہے اسوقت جو فرحت سالک کو ہوتی ہے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا عارف شیرازی کے کلام میں بکثرت قبض وبسط کا بیان ہوا ہے ایک مقام پر قبض کے متعلق فرماتے ہیں ؂

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش — بر جفای خار ہجراں صبر بلبل بایدش
ای دل اندر بند زلفش از پریشانی منال — مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

اور ایک مقام پر بسط کی حالت میں فرماتے ہیں ؂

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند — وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

اس کلام کے سننے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی فرحت خوشی حاصل ہوئی ہے اور چونکہ یہ بسط مرشد کی توجہ سے حاصل ہوا تھا اسلئے آگے فرماتے ہیں ؂

کیمیا ئیست عجب بندگی پیر مغاں — خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توجہ مرشد کب نافع ہوتی ہے جبکہ اسکی اطاعت کیجائے اور اسکے بتلانے کے موافق عمل کیا جائے اور اپنے کو اسکے ہاتھ میں مثل مردہ بدست زندہ کر دیا جائے کہ وہ جسطرح تم میں چاہے تصرف کرے اسکے بعد جو مرشد کی توجہ ہوتی ہے وہ واقعی کیمیا ہوتی ہے اس سے میں ان لوگوں کے کان کھولنا چاہتا ہوں جو ہوسناک ہیں جو ایک توجہ سے کامل ہونا چاہتے ہیں تو وہ سمجھ لیں کہ توجہ کی دو قسمیں ہیں ایک توجہ بلا عمل یہ عادۃً بے اثر ہے ایک توجہ مع العمل یہ موثر ہے سو یاد رکھو کہ توجہ بلا عمل کا اثر یہ محض موجود ذہنی ہے اس کا

خارج ہیں وقوع نہیں اور جہاں تم اس کا وقوع سمجھتے ہو وہاں بھی عمل ضرور موجود ہے گو تمکو اُسکی خبر نہو کیونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں اعمال جوارح و اعمال قلبیہ اعمال جوارح کی اطلاع تو دوسروں کو ہو سکتی ہے مگر اعمالِ قلب کی اطلاع خدا کے سوا یا خاصان خدا کے سوا دوسروں کو نہیں ہوتی۔ تو بعض طالب ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے ظاہری اعمال کچھ زیادہ نہیں ہوتے نہ وہ کچھ زیادہ مجاہدے کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر اعمال قلبیہ اُنکے زیادہ ہوتے ہیں وہ ہر وقت قلب کی نگہداشت میں مشغول ہوتے ہیں اور یہ ظاہری مجاہدہ سے بھی اشد ہے تو جنکو تم بلا عمل کے توجہ سے کامیاب ہوتا دیکھتے ہو وہ اس عمل شدید کے عامل ہیں حقیقت میں وہ بلا عمل کے توجہ محض سے کامیاب نہیں ہوئے بلکہ توجہ مع العمل ہی سے کامیاب ہوئے ہیں بس اس توجہ کے نفع کا طریق یہ ہے کہ شیخ نے ایک کام بتلایا اور طالب نے اُسکے موافق عمل کیا شیخ کو اسکی اطلاع ہوئی وہ جوش میں آکر اسکے لئے دعا کرتا اور اسکی طرف توجہ پہلے سے زیادہ کرتا ہے اس سے بیشک نفع ہوتا ہے کیونکہ

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں ۔ می دہد یزداں مراد متقیں،

اللہ تعالیٰ مقبولین کی مراد کو پورا کرتے ہیں جب وہ کسی شخص کی کامیابی چاہتے ہیں تو حق تعالیٰ بھی اُسکو کامیاب ہی کر دیتے ہیں۔ اسپر شاید کوئی یہ کہے کہ جب عمل کی ہر حالت میں ضرورت ہے اور توجہ بھی عمل ہی سے نافع ہوتی ہے تو پھر توجہ کی کیا ضرورت ہے تو بات یہ ہے کہ کام دونوں ہی کے مجموعہ سے چلتا ہے عمل اور توجہ شیخ دونوں ہی کی ضرورت ہے۔ دیکھو جو طالب علم استاد کے کلام کو شوق سے سنتا ہے اُستاد کو اُسپر توجہ زیادہ ہوتی ہے پھر اُسکی توجہ سے اسکو دوسروں سے زیادہ علم حاصل ہوتا ہے کتابیں تو سب ہی ختم کر لیتے ہیں مگر جس کا نام علم ہے یعنی فہم سلیم اور فقہ فی الدین وہ اُسی کو حاصل ہوتا ہے جس نے توجہ سے پڑھا ہو اور اساتذہ کو راضی رکھا ہو اور جس طالب علم نے محض محنت ہی محنت کی ہو۔ مگر اساتذہ کو راضی نرکھا ہو تجربہ کر لیا جائے کہ اسکو حقیقی علم حاصل نہو گا۔ گو الفاظ یاد ہو جائیں بہرحال توجہ شیخ کی نہایت ضرورت ہے مگر وہ بعد العمل ہی مفید ہے قبل از عمل مفید نہیں الا نادراً و ہو کالمعدوم اور بلا عمل بزرگوں کی توجہ سے توکیا توقع رکھی جاوے خود خدا تعالیٰ کی بھی عادت یہی ہے کہ اُن کو بھی توجہ بعد العمل ہی ہوتی ہے اور اگر کسی کو عمل کے غیر ضروری ہونے کا اس حدیث سے شبہ ہو کہ ایک بار رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا یدخل الجنۃ احد بعملہ کہ جنت میں کوئی اپنے عمل سے نہ جائیگا اسپر صحابہ نے عرض کیا ولا انت یارسول اللہ یعنی یارسول اللہ کیا آپ بھی اپنے عمل سے نہ جائیں گے حضور نے فرمایا ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ کہ ہاں میں بھی عمل سے نہ جاؤں گا مگر یہ کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت میں مجھے ڈھانپ لیں۔ چنانچہ اس حدیث کو بعضے لوگ عدم ضرورت عمل کی تائید میں بیان کیا کرتے ہیں مگر یہ انکی غلطی ہے یہ حدیث تو ضرورت عمل کو بتلا رہی ہے کیونکہ حضور فرماتے ہیں کہ جنت میں جو کوئی جائیگا خدا تعالیٰ کی رحمت سے جائیگا اب نصوص سے معلوم کرو کہ مورد رحمت کون لوگ ہیں سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین رحمت حق نیکوکاروں کے قریب ہے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ بھی عمل ہی کے بعد توجہ فرماتے ہیں بدون عمل کے وہ بھی توجہ نہیں فرماتے۔ ایک جواب تو یہ ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کے یہ معنی نہیں کہ عمل کو دخل ہی نہیں یہ تو نصوص قطعیہ کے خلاف ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ وہ علت تامہ کا جزو اخیر نہیں ہے وہ جزو اخیر رحمت ہی ہے گو عمل بھی علت تامہ کے اجزا میں سے ہو بہرحال عمل کی ضرورت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ بس اب جو لوگ محض توجہ سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں اور عمل نہیں کرتے وہ بندہ نفس ہیں آرام طلب ہیں۔ انکیں عشق و طلب نہیں ہے بھلا عشق اور چین؟ دعوی محبت اور آرام طلبی؟ ایں خیالست ومحالست وجنوں۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر توجہ بلا عمل مفید بھی ہوتی تب بھی عاشق کو بدون عمل کے چین کیونکر آسکتا ہے۔ عاشق سے کبھی نہیں ہوسکتا کہ محض دعوی عشق پر اکتفا کرے اور عمل سے اس کا ثبوت نہ دے ایسے عشق کو تو ہم اور آپ بھی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ ایک رئیس خانصاحب فرماتے تھے کہ بچپن میں ایک طالب علم مجھپر عاشق ہوا میں نے کہا اگر تم میرے عاشق ہو تو سیر بھر جوتہ لے بچا کھا لو۔ بس یہ سنکر خاموش رہ گئے میں نے ایک جوتہ نکالکر مارا کہ اب سے عشق کا نام نہ لینا۔ ارے جب مخلوق دعوی عشق بلا عمل پر راضی نہیں تو خدا تعالیٰ اس عشق کو کیسے قبول فرمالیں گے بس یہ لوگ ایسے عاشق ہیں کہ لینے دینے کے منہ میں خاک محبت رکھیں پاک طالب کی تو شان یہ ہوتی ہے کہ عمل اور مجاہدہ کے بعد اگر ناکامی بھی ہو تب بھی عمل سے دلگیر نہیں ہوتا اور برابر کام میں لگا رہتا ہے ایک عارف فرماتے ہیں ۵

یابم اورا یا نہ یابم جستجوے می کنم حاصل آید یا نیاید آرزوے می کنم

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

گر مرادت را مذاق شکر ست بے مرادی نے مراد دلبرست

عاشق کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ میرے عمل پر کچھ ثمرہ مرتب ہوا یا نہیں اور عمل سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں وہ تو محض محبت کیوجہ سے محبوب کی خدمت میں لگا رہتا ہے چاہے کامیابی ہو یا ناکامی۔ اور یوں کہتا ہے ؎

ارید وصاله و یرید ہجری فاترك ما ارید لما یرید

مضمون طویل ہوگیا۔ یہ بات اسیر چلی تھی کہ قبض سبب بسط ہو جاتا ہے حالانکہ دونوں باہم ضدین ہیں لیکن ضد جالب ضد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فنا سبب بقا ہو جاتا ہے۔ اہل اللہ اسی واسطے اپنے کو مٹاتے ہیں۔ تاکہ بقا حاصل ہو۔ اور مجاہدہ کے بعد مشاہدہ حاصل ہو بلکہ وہ فنا ہی بقا ہو جاتا ہے اور مجاہدہ ہی مشاہدہ ہو جاتا ہے اور ذلت ہی عزت ہو جاتی ہے کیونکہ بعض عزت بصورت ذلت ہوتی ہے اور بعض قرب بصورت بعد ہوتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر کہ معراج مرا نیست بر معراج یونس اجتبا

یہ روایت بالمعنی ہے مولانا اس مقام پر حدیث لا تفضلونی علی یونس بن متیٰ کی تفسیر کر رہے ہیں اور یہی حدیث سرخی میں بھی لکھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر ترجیح نہ دو۔ یونس علیہ السلام کی معراج کا قصہ یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب نازل ہوگا انھوں نے مدت پوچھی آپ نے میعاد بتلادی اُس تاریخ کے قریب کہیں دوسری جگہ چلے گئے پیچھے قوم پر عذاب آیا آثار عذاب دیکھکر لوگ انکی تلاش میں نکلے کہ یونس علیہ السلام مل جائیں تو انپر ایمان لے آدیں مگر یونس علیہ السلام نہ ملے تو عقلاء نے کہا اگر یونس نہیں ہیں تو رب یونس تو ہیں تم ان سے رجوع کرو اور یونس علیہ السلام پر غائبانہ ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے ایمان کا علم ہو جانا کافی ہے۔ واقعی یہ لوگ عاقل تھے افسوس آجکل صدیو

مسلمانوں کو بھی ان نومسلموں کی برابر عقل نہیں کہ بیعت کیلئے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو ضروری سمجھتے ہیں مگر ان نومسلموں کی عقل پر آفریں ہے کہ حقیقت کو بہت جلدی سمجھ گئے کہ بیعت حقیقی اتباع ہے ہاتھ میں ہاتھ دینا ضروری نہیں بلکہ پیر کا سامنے ہونا بلکہ اس کا جاننا بھی ضروری نہیں چنانچہ وہاں پیر غائب تھے اور ان لوگوں نے غائبانہ بیعت کر لی جسکی پیر کو بھی خبر نہ تھی مگر وہ ایسی سچی بیعت تھی کہ خدا تعالیٰ کے یہاں قبول ہوئی اور عذاب ٹل گیا جب عذاب کی میعاد گذر گئی تو یونس علیہ السلام نے آنے جانے والوں سے قوم کا حال پوچھا معلوم ہوا کہ وہ تو عذاب سے بچ گئے اب انکو وہاں جاتے ہوئے شرم آئی کہ مجھے جھٹلاوینگے کہ تم تو فلاں تاریخ تک عذاب آنیکو کہتے تھے ہم تو عذاب سے ہلاک نہ ہوئے اس شرم کی وجہ سے قوم کی طرف نہ گئے بلکہ وہاں سے بہت دور چلے گئے اور وحی کا انتظار نہ کیا اور آپ کو یہ خبر نہ تھی کہ قوم عذاب سے میری تصدیق ہی کی بدولت بچی ہے اور اگر میں واپس جاونگا تو پہلے سے زیادہ تصدیق کریں گے بہر حال آگے بڑھتے چلے گئے راستہ میں ایک دریا پڑا اس سے پار ہونیکو کشتی میں سوار ہوئے کچھ دور چلکر کشتی بھنور میں آگئی ناخدا نے کہا معلوم ہوتا ہے اس کشتی میں کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے وہ کشتی میں سے نکل جائے ورنہ سب غرق ہو جاویں گے اُس زمانہ کے کافر بھی مصائب کا سبب معاصی کو سمجھتے تھے افسوس آجکل مسلمان بھی ایسا نہیں سمجھتے الا ماشاء اللہ۔ یہ سنکر یونس علیہ السلام کو تنبہ ہوا کہ میرا بدون اذن الٰہی قوم کے بلاد سے چلا آنا اچھا نہوا۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے اذن لینا چاہئے تھا اس تنبہ کے بعد آپ سے نہ رہا گیا اور لوگوں سے کہا بھائی وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہوں لوگوں کو آپکی بات کا یقین نہ آیا اور کہا آپکی صورت تو غلاموں کی سی نہیں بلکہ سرداروں جیسی ہے بھلا آپ غلام کدھر سے ہوئے سچ ہے ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی ۔۔۔ نیک بیں باشی اگر اہل ولی

خصوصاً انبیاء علیہم السلام کو تو حق تعالیٰ حسن صورت حسن سیرت حسن صوت سب کچھ اتنا عطا فرماتے ہیں کہ اُن کے زمانہ میں کسی کو بھی حاصل نہو پھر ان کمالات ظاہرہ و باطنہ کے ہوتے ہوئے اُن پر غلامی کا کسکو شبہ ہو سکتا تھا۔ غرض آپ اصرار کر رہے تھے کہ بھاگا

ہوا غلام میں ہی ہوں تم مجھے دریا میں ڈالدو۔ اور لوگ انکار کر رہے تھے آخر کار قرعہ اندازی پر فیصلہ ہوا کہ جس کے نام کا قرعہ نکل آوے اُسی کو ڈالدیا جائیگا قرعہ میں بھی یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا لوگوں نے کہا یہ تو اتفاقی بات ہے پھر قرعہ ڈالو تین دفعہ قرعہ ڈالا گیا اور ہر دفعہ یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا تب تو لوگوں نے مجبور ہو کر آپکو دریا میں ڈالدیا اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں فساھم فکان من المدحضین ٥ وہاں باذن حق ایک مچھلی منہ کھولے ہوے تیار بیٹھی تھی جس نے فوراً آپکو نگل لیا سمندر میں بعضی مچھلیاں بہت ہی بڑی ہوتی ہیں نگلنے کو تو مچھلی نے نگل لیا مگر وہاں معدہ کو حکم ہو گیا کہ خبردار یونس علیہ السلام کو ہضم نکرنا اب وہ پیٹ میں صحیح سالم زندہ رہے چالیس دن کے بعد مچھلی نے کنارہ پر آپکو اگل دیا۔ جس کا قصہ تفاسیر میں مفصل موجود ہے۔ اس قصہ سے کسی ناواقف کو شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یونس علیہ السلام کی یہ حالت کامل نتھی خصوصاً جبکہ وہ قرآن کے بعض عنوانات پر بھی نظر کرے جیسے ولا تکن کصاحب الحوت اذ نادی وھو مکظوم ٥ لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ بالعراء وھو مذموم ٥ اور ایک مقام پر ارشاد ہے وذا النون اذ ذھب مغاضباً فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمت ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظلمین ٥ مغاضباً کی تفسیر بعض نے تو کچھ اور ہی کی ہے کہ اللہ میاں سے روٹھکر چلے گئے تھے ہماری تو یہ ہمت نہیں مگر اشکال اسپر بھی نہیں کیونکہ ادلال انبیا علیہم السلام سے ثابت ہے چنانچہ بدر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لن تعبد بعد الیوم (اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت مسلمانوں کی ہلاک ہو گئی تو آج کے بعد زمین میں کوئی آپکی عبادت نکرے گا ۱۲) اسمیں بجز ادلال کے اور کیا تاویل ہو سکتی ہے ایسے ہی یونس علیہ السلام کا بدون اذن کے چلا آنا بطور ادلال کے تھا کہ عذاب کیوں نہیں نازل فرمایا اسی کو حق تعالیٰ نے مغاضبت سے تعبیر فرمایا رہا یہ کہ پھر ادلال پر مواخذہ کیوں ہوا تو بات یہ ہے کہ جسطرح انبیا حق تعالیٰ پر ناز کرتے ہیں ایسے ہی کبھی وہ بھی ادلال فرماتے ہیں اور انکو اس کا زیادہ حق ہے کیونکہ محبوب ہیں تو یہ مواخذہ بھی بطور ادلال کے تھا جسکو دوسری عبارت میں عتاب محبوبانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بہر حال اس قصہ سے کسی کو یونس علیہ السلام

کے کمال پر شبہ ہو سکتا تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث لاتفضلونی علی یونس بن متی میں اس شبہ کو رفع فرمایا ہے کہ اس قصہ کی وجہ سے یونس علیہ السلام کے کمال پر شبہ نکرنا اور مجھے ان پر فضیلت نہ دینا کیونکہ انکی یہ حالت کمال کے منافی نتھی یہاں سے لوگ یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ انبیاء علیہم السلام میں باہم ایسا موازنہ نکرنا چاہیے جس سے کسی کی تنقیص لازم آئے اور حدیث لاتفضلونی میں اسی تفضیل کی ممانعت ہے اور یہ صورت اکثر تفصیلی تفضیل میں پیش آتی ہے باقی اجمالی تفضیل کا مضائقہ نہیں جو نصوص میں وارد ہے مولانا اس حدیث کی تفسیر دوسری طرح کرتے ہیں اور غالباً اس کا منشا عموم کے تحت میں خصوص کو داخل کرنا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ حدیث میں تفضیل جزئی کی ممانعت ہے اور مطلب یہ ہے کہ میری کسی خاص حالت کو یونس علیہ السلام کی کسی خاص حالت پر فضیلت نہ دو مولانا اس عموم میں معراج کو بھی داخل کرتے ہیں کہ میری معراج کو بھی یونس علیہ السلام کی معراج پر فضیلت نہ دو اسکے بعد عجیب بات بیان فرمائی ہے کہ جس قصہ کو تم یونس علیہ السلام کیلئے منافی کمال سمجھتے ہو درحقیقت وہ انکی معراج تھی پس مولانا فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کو اس واقعہ میں معراج حاصل ہوئی تھی اور یہ جو مشہور ہے کہ حضور کے سوا کسی نبی کو معراج نہیں ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ جس صورت سے آپکو معراج ہوئی اس صورت سے کسی کو نہیں ہوئی ورنہ حقیقت معراج جملہ انبیاء میں مشترک ہے اور حقیقت کے اعتبار سے ہر پیغمبر کو معراج ہوئی ہے کیونکہ معراج کی حقیقت ہے قرب حق اور ظاہر ہے کہ قرب حق جملہ انبیاء کو حاصل تھا۔ اسکے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ قرب حق کسی خاص صورت کیساتھ مقید نہیں بلکہ کبھی بصورت عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورت نزول ہوتا ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

قرب نیز پستی ببالا رفتن است — قرب حق از قید ہستی رستن است

اور قرب بصورت نزول کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے حدیث میں آتا ہے اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد او کما قال۔ نیز قرآن میں ہے واسجد واقترب یعنی سجدہ کرو اور مقرب بنجاؤ جس سے سجدہ کا محل قرب ہونا معلوم ہوا حالانکہ ظاہر میں وہ پستی اور ذلت ونزول کی حالت ہے اسکے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کو اس واقعہ میں

معراج بصورت نزول ہوئی تھی تو یہ واقعہ منافی کمال نہ تھا بلکہ عین کمال تھا کیونکہ معراج کا کمالات سے ہونا مسلم ہے باقی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ صورت وحقیقت کے جامع ہیں اسلئے آپکو معراج بصورت عروج ہوئی جسمیں حقیقت اور صورت دونوں کو جمع کرلیا گیا پھر آپ کی معراج میں جسطرح عروج تھا نزول بھی تھا اور نزول میں بھی صورت ومعنی دونوں مجتمع تھے صورت تو یہ کہ آپ بلندی سے زمین کیطرف تشریف لائے اور حقیقت یہ کہ فنا کے بعد بقا حاصل ہوا اور یہ نزول ہے جسکو اہل سلوک جانتے ہیں اس جامعیت کے متعلق ہمارے حاجی صاحب نے بڑے مزہ کی بات فرمائی ایکدفعہ شریف مکہ کچھ حضرت سے بدظن ہو گیا تھا کسی نے کچھ شکایت پہونچادی تھی اسی اثنا میں ایک دن حضرت کی مجلس میں شریف صاحب کے ایک درباری حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں کچھ اس کا تذکرہ ہوا۔ حضرت نے ان شکایات کا بے اصل ہونا ظاہر فرمایا پھر حضرت کو جوش آگیا اور فرمایا کہ اگر شریف صاحب کو ان شکایات کا یقین آگیا ہے تو مجھے اسکی بھی پروا نہیں وہ میرا کیا کرسکتے ہیں بس یہی نا کہ مکہ سے نکالدینگے تو میرا اسمیں کوئی ضرر نہیں میں جہاں بیٹھونگا وہاں ہی مکہ ہوگا اور وہاں ہی ہوگا مدینہ کیونکہ مکہ کی حقیقت ہے تجلی الوہیت اور مدینہ کی حقیقت ہے تجلی عبدیت اور یہ عارف کی ساتھ ساتھ ہوتی ہے تو پھر شریف صاحب میرا کیا بگاڑلیں گے۔ اگر کوئی سڑبھنگ ہوتا تو بس اتنے کلام پر اکتفا کرتا مگر قربان جائیے حاجی صاحب کے کہ وہ واقعی محقق تھے اتنی بات پر کلام کو ختم نہیں کیا بلکہ اسکے بعد یہ بھی فرمایا مگر جو محقق عارف ہیں وہ صورت ومعنی دونوں کے جامع ہوتے ہیں وہ معنی کی ساتھ صورت کی بھی قدر کرتے ہیں اور جبتک ان سے ہوسکتا ہے مکہ مدینہ کی صورت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ہاں کوئی مجبوری ہی آپڑے تو خیر سبحان اللہ جوش کی حالت میں بھی فن پر پوری نظر رہی اور سنبھلکر مسئلہ کو پورا فرمادیا جسپر اب کوئی اشکال نہیں ہوسکتا۔ ورنہ سب سے پہلے حضرت ہی پر اشکال وارد ہوتا کہ جب حقیقت مکہ مدینہ کی آپکی ساتھ ہے تو پھر صورت مکہ میں آپنے قیام کیوں اختیار کیا۔ تو اس جامعیت کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج بصورت عروج ہوئی۔ افسوس آجکل بعض لوگ حضور کیلئے معراج جسمانی کے منکر ہیں گویا وہ کمال صورت کے منکر ہیں ان لوگوں نے بڑا ظلم کیا ہے

اوران کے پاس اس انکار کی کوئی بھی دلیل نہیں غرض یونس علیہ السلام کی وہ پستی اور نزول عین ترقی تھی تو ضد کے جالب ضد ہونے پر کیا شبہ کیا جائے بلکہ معاملات باطن میں تو ضد عین ضد بھی ہو جاتی ہے مگر باعتبارات مختلفہ۔ اعتبارات کا ملانا توضروری ہے ولو لا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ۔ یہی وہ مضمون ہے جسکی طرف آیت ان مع العسر یسرا میں میرا ذہن منتقل ہوا کہ کبھی ضد بھی جالب ضد ہو جاتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سختی و دشواری کیساتھ آسانی ہے تو اسمیں لفظ مع گو سببیت پر دلالت نہیں کرتا محض اقتران پر دال ہے لیکن غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقتران محض اتفاقی نہیں بلکہ عسر کو یسر میں دخل ہے کیونکہ عسر سے نفس پامال ہوتا ہے اور عارف کو اسوقت اپنا عجز وفنا مشاہد ہوتا ہے نیز صبر جمیل و رضا بالقضا حاصل ہوتا ہے یہ سب تیسیر و فرج کا سبب بنجاتی ہیں اسکے ساتھ جب وہ حدیث ملالی جائے کہ انبیاء پر تکالیف و شدائد اسلئے زیادہ آتے ہیں تاکہ اُنکے درجات بلند ہوں پھر تو عسر کے سبب یسر ہونے میں کوئی بھی اشکال نہ رہے گا اسکی ساتھ اتنا اور سمجھ لیجئے کہ عسر یسر باطنی کا سبب تو ہوتا ہی ہے کیونکہ درجات بڑھتے ہیں مگر اکثر یسر ظاہری کا بھی سبب ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے والعاقبۃ للمتقین وانا لننصر رسلنا والذین آمنوا۔ وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض وان الارض یرثھا عبادی الصالحون وغیر ذلک من الآیات اور عموماً انبیا علیہم السلام اور اُنکے متبعین کی ساتھ بھی معاملہ ہوا ہے کہ اول انپر عسر ہوا پھر انجام کار ہر طرح یسر حاصل ہوا کہ ظاہر میں بھی وہ اپنے اعداء پر غالب ہوئے پس یسر باطنی کے اعتبار سے تو مع العسر یسرا میں مع اپنے حقیقی معنوں میں ہے کہ عسر کی ساتھ ساتھ یسر ہے کیونکہ انبیا کی ترقی درجات عین یسر کی حالت میں ہوتی رہتی ہے اور یسر ظاہری کے اعتبار سے بمعنی بعد سے تعبیر فرمایا جو تفسیر لیجئے گا ویسے ہی مع کے معنی لے لیجئے بہرحال اولاً یہ مسئلہ خود بخود میرے دل میں آیا تھا کہ ضد سبب ضد بھی ہو جاتی ہے پھر اس آیت میں بھی اسکی طرف ذہن چلا گیا جسکی تقریر ابھی کر چکا ہوں الحمد للہ مضمون کلی بھی بیان ہو گیا اور آیت سے اُسکا تعلق بھی بیان ہو گیا اب اُس حدیث کی تفریع اس مضمون پر باقی رہی سو عرض کرتا ہوں کہ اُسی مضمون کی ایک

فرع یہ حدیث ہے اذا انتصف شعبان فلا صوم الا عن رمضان کہ رمضان سے پہلے نصف شعبان کے بعد روزہ نہ رکھو۔ یہ تو ترجمہ ہوا تفریع کی تقریر آگے آتی ہے اُس سے پہلے اس حکم کی حکمت بیان کرتا ہوں کہ اُس سے تفریع سمجھنے میں سہولت ہوگی کہ اس حکم کی حکمت کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں گو حکمت کا معلوم کرنا ضروری نہیں اور نہ مسلمان کو عمل کیلئے اس کا انتظار ہونا چاہیئے کہ حکمت کیا ہے لیکن اگر حکمت معلوم ہو جائے تو یہ حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کیونکہ یہ بھی ایک علم عظیم ہے جس سے احکام کی عظمت کا انکشاف ہوتا ہے چنانچہ اسمیں ایک حکمت تو یہ ہے کہ ان دنوں میں خوب گھی دودھ کھا کر رمضان میں قوت ونشاط کیساتھ روزہ رکھے گا دوسرے یہ کہ رمضان سے پہلے روزہ رکھنے میں رمضان کا اشتیاق کم ہو جانیکا اندیشہ ہے اسلئے حضور نے بقاء اشتیاق کیلئے نصف شعبان کے بعد روزہ کو منع کر دیا کیونکہ انتظار و اشتیاق کے بعد جو شے حاصل ہوتی ہے اسمیں نشاط زیادہ ہوتا ہے بلکہ ایک شاعر تو یوں کہتا ہے ؎

جو مزہ انتظار میں دیکھا
پھر نہ وہ وصل یار میں دیکھا

مگر یہ مذاق نقص کا پتہ دے رہا ہے یا عاشق میں یا محبوب میں کہ وصل کے بعد مزہ جاتا رہا یا کم ہو گیا معلوم ہوا کہ یا تو اس شخص کا عشق ہی برائے نام تھا جو کہ جوش کم ہونے سے نیست و نابود ہو گیا یا محبوب ناقص ہے جس سے وصال کر کے حقیقت معلوم ہو گئی کہ بس آپکا یہ حسن ہے اور یہ کمال ہے۔ ورنہ اگر دونوں کامل ہوں تو پھر انتظار کا مزہ وصال کے مزہ کے سامنے کچھ بھی نہیں اُسوقت محب کا تو یہ حال ہوتا ہے ؎

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور محبوب کے حسن کی یہ کیفیت ہوتی ہے ؎

یزیدک وجهه حسنا
اذا ما زدته نظرا

باقی اسمیں شک نہیں کہ جو شئے انتظار کے بعد ملتی ہے اسمیں بہ نسبت اُسکے جو بلا انتظار کے مل جائے زیادہ نشاط و حظ ہوتا ہے اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انتظار کو باقی رکھنے کیلئے رمضان سے کچھ پہلے روزہ کو منع فرما دیا۔ ان ہی حکمتوں سے میرا ذہن اُسی قاعدہ کلیہ کیطرف منتقل ہوا

جسکی تقریر اوپر کر چکا ہوں یعنی میرے قلب میں یہ بات آئی کہ یہاں حضور نے ایک ضد کو دوسری ضد کیلئے معین بنایا ہے جو کہ ایک قسم کا سبب ہوتا ہے کیونکہ وجود معین کے بعد اکثر مقصود کا ترتب ہو جاتا ہے اور یہی سببیت ہے پس یہ ترک صوم صوم رمضان کیلئے سبب ہو گیا کیونکہ رمضان سے پہلے ترک صوم سے صوم رمضان پر قوت زیادہ ہوگی اور انتظار کی شان پیدا ہو کر رمضان کے روزوں میں نشاط زیادہ ہوگا۔ اور اذا انتصف شعبان کے عنوان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نصف آخر سے پہلے روزہ مشروع ہے کیونکہ کسی حکم کو ایک میعاد کے ساتھ محدود کر دینا اسکی علامت ہے کہ اس حد سے باہر یہ حکم نہیں پس اذا انتصف کے لفظ سے جو ایک حد معلوم ہو رہی ہے اس سے قبل نصفِ آخر صوم کی اجازت معلوم ہوتی ہے جسکی تصریح دوسری احادیث سے معلوم ہوتی ہے جو ابھی مذکور ہوتی ہے وہ دوسری احادیث وہ ہیں جنمیں لیلۃ النصف من شعبان کی فضیلت وارد ہے یعنی پندرہ شعبان کی رات اور پندرہ کی رات شرعاً وہ ہے جو چودھویں تاریخ کا دن ختم ہونیکے بعد شروع ہوتی ہے کیونکہ شرعاً لیل مقدم ہے نہار سے تو پندرہ کی رات وہ ہے جو پندرہ تاریخ کے دن سے پہلے ہے مثلاً ہمارے یہاں شعبان کی پہلی منگل کی ہے اور پندرہ بھی منگل کی ہے تو پندرہویں رات وہ ہے جو پیر کا دن گذرنیسے شروع ہوگی۔ اس رات کے متعلق حدیث میں یہ حکم ہے کہ قوموا لیلہا و صوموا نہارہا کہ اس رات میں قیام کرو قیام اللیل رات کی عبادت کو کہتے ہیں اور دن میں روزہ رکھو تو اس حدیث میں اخیر نصف شعبان کے قبل روزہ کا شروع ہونا مذکور ہے یہاں شاید بعضوں کو یہ شبہ ہو کہ اس مہینہ میں تاریخ کے اندر اختلاف ہے بعض کے نزدیک پیر کو پندرہ ہے تو اب یہ خلجان ہے کہ پندرہ تو ایک ہی ہوگی یا پیر کو یا منگل کو تو ہم کسدن کا روزہ رکھیں اور کونسی رات کو جاگیں اور دونوں راتوں اور دنوں کی عبادت کرنا یہ گراں ہے تو اب معلوم منگل کی رات اور منگل کے دن میں عبادت کرنے اور روزہ رکھنے سے ہمکو یہ فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں تو سمجھ لو کہ تمہارا یہی خیال غلط ہے کہ ثواب کے اعتبار سے بھی پندرہ ایک ہی ہوگی۔ گو حساب میں پندرہ ایک ہو مگر حق تعالیٰ کسی خاص مکان یا زمان میں ایک فضیلت پیدا کر کے اسکے پابند نہیں ہو جاتے کہ دوسرے مکان یا زمان میں اُس

فضیلت کو پیدا نکر سکیں بلکہ وہ ہر رات اور ہر دن میں اس فضیلت کو پیدا کر سکتے ہیں رہا یہ کہ امکان سے وقوع تو لازم نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری نصوص سے اس کا وقوع بھی ثابت ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ ایسا ہی کرتے ہیں کہ جو برکت ایک تاریخ میں تمہارے واسطے ہے وہی برکت دوسروں کیلئے دوسری تاریخ میں پیدا کر دیتے ہیں جسکو وہ اپنی تحقیق کے موافق بندہ سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ کو برکت کا ایک رات سے دوسری رات میں منتقل کر دینا کیا مشکل ہے انکی تو شان یہ ہے اولٰئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات کہ حق تعالیٰ گناہ کو حسنہ بنا دیتے اور جرم کو طاعت کر دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حشر میں اللہ تعالیٰ ایک بندہ سے دریافت فرمائیں گے کہ کیوں تو نے ایسا کیا تھا تو نے فلاں گناہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اول چھوٹے چھوٹے گناہوں کو گنائیں گے بندہ سبکا اقرار کریگا اور اپنے دل میں ڈر لگا کہ ابھی سنگین جرائم کا تو ذکر ہی نہیں ہوا دیکھئے آپر کیسی گرفت ہو مگر حق تعالیٰ کبائر کے ذکر سے پہلے ہی یہ فرما دینگے کہ جا ہمنے تمکو ہر گناہ کے عوض ایک نیکی دی اب وہ بندہ خود اپنے گناہ گنوائیگا کہ الٰہی میں نے تو اور بھی بڑے بڑے گناہ کئے ہیں ان کا تو یہاں ذکر ہی نہیں آیا مجھے انکے عوض بھی نیکیاں دلوائیے۔ یہ تو آخرت میں ہوگا اور دنیا میں یبدل اللہ سیئاتھم حسنات کا مصداق یہ ہے کہ ملکات سیئہ کو مبدل بہ ملکات حسنات کر دیتے ہیں بخل کو سخاوت سے اور جہل کو علم سے بدل دیتے ہیں اور حسیات میں یہ صورت ہے کہ پانی کو خون کر دیتے ہیں جیسا کہ قوم فرعون پر عذاب دم مسلط ہوا تھا اور خون کو دودھ بنا دیتے ہیں جیسا کہ عورتوں اور گائے بکری کے پستان میں مشاہد ہے تو اگر وہ ایک تاریخ کی برکت دوسری تاریخ میں بھی رکھدیں تو کیا بعید ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

گر بخواہد عین غم شادی شود | عین بند پائے آزادی شود
کیمیا داری کہ تبدیلش کنی | گرچہ جوئے خون بود نیلش کنی

واقعی حق تعالیٰ سے زیادہ کیمیا بنانے والا کون ہوگا جب تم کیمیاوی تدابیر سے تانبے کو سونا اور رانگ کو چاندی بنا دیتے ہو تو وہ پتھر کو سونا بنا دیں تو کیا بعید ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کیونکہ سونا چاندی اور سب دھاتیں زمین ہی سے نکلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مٹی ہی سے کیا کیا بنا دیا

رہا یہ کہ ایسا ہوتا بھی ہے یا نہیں اسکے لئے دوسری نصوص موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بستی اور ہر شہر کے لئے اسی تاریخ میں برکت ہے جو ان کے حساب سے پندرہ تاریخ ہے حدیث میں ہے۔ الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون (ترجمہ) روزہ اسی دن کا ہے جسدن تم روزہ رکھو اور عید الفطر کا وہی دن ہے جسدن تم عید الفطر مناؤ اور عید الاضحی اسی تاریخ کی ہے جسدن تم قربانی شروع کردو ۱۲) اس کا مطلب حضرت استاد نے یہ فرمایا کہ جس تاریخ میں تم اپنی تحقیق کے موافق روزہ شروع کردو یا تحقیق کرکے روزہ ختم کردو تو خدا کے نزدیک وہی روزہ کی تاریخ اور افطار کی تاریخ ہے یعنی جو ثواب اور برکت رمضان و عید الفطر و عید الاضحی کے دن میں رکھی گئی ہے ہر شہر کے مسلمانوں کو ان ایام میں حاصل ہوگی جو ان کے نزدیک رمضان وغیرہ کی تاریخیں ہیں۔ لہذا تم اپنی تحقیق کے موافق جسدن کو پندرہ شعبان سمجھکر روزہ رکھوگے وہی معتبر ہے اور اسی دن سے پہلی رات تمہارے لئے پندرھویں رات ہے اختلاف تاریخ سے شبہ میں نہ پڑو۔ مگر خدا کیلئے اس رات میں قرب الی اللہ کیلئے جاگنا قرب الی النار کیلئے نہ جاگنا قرب الی النار کیلئے جاگنا یہ ہے کہ آتشبازی کیواسطے جاگا جائے یہ آتشبازی کیا ہے آتشباری ہے رات کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آگ برس رہی ہے یہ بالکل یاجوج و ماجوج کا سا فعل ہے وہ بھی آسمان کیطرف آسمان والوں سے لڑنیکے لئے تیر پھینکیں گے جنکو حق تعالی کے حکم سے خون میں بھر کر واپس کیا جائیگا اسی طرح یہ لوگ آسمان کی طرف آگ بیل وغیرہ پھینکتے ہیں۔ اس سے خود بھی بچو اور اپنے بچوں کو بھی بچاؤ کیونکہ اپنے اہل وعیال کو گناہوں سے بچانا بھی گھر کے سردار پر واجب ہے حق تعالی فرماتے ہیں یا ایہا الذین امنوا قوا انفسکم واہلیکم نارا ۰ اے ایمان والو! اپنے کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی بعض لوگ کہتے ہیں صاحب کیا کریں بچے آتشبازی کیلئے ضد بہت کرتے ہیں یہ محض لغو عذر ہے بھلا اگر بچے زہر کھانے پر ضد کریں تو کیا تم کھلادوگے ہرگز نہیں پھر دونوں میں فرق کیا ہے۔ اسکے سوا اور کیا فرق ہے کہ جس چیز کو اطبا جسم کیلئے زہر کہدیں اسکو تو تم مضر سمجھتے ہو اور جسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم روح ایمان کیلئے زہر بتلادیں اسکو تم مضر نہیں سمجھتے۔ ذرا ہوش ٹھکانے کرو اور ایمان کو سنبھالو۔ دوسرے بچوں کا بہلانا ہی کیا

مشکل ہے ذراسی بات میں بچہ بہل سکتا ہے جیسے بدوؤں کا بہلانا آسان ہے۔ بدو چالاک نہیں ہوتے اکثر بھولے اور سیدھے ہوتے ہیں ایک شخص اپنے بدو کو چمچے میں گھی بھر کر دیا کرتے تھے وہ اسپر ضد کرتا تھا کہ چمچہ کو خوب بھرا کرو۔ انھوں نے کیا حرکت کی کہ چمچہ کی تہہ میں پہلے کھچڑی جما دیتے پھر گھی بھر کر دیدیا کرتے چونکہ چمچہ ظاہر میں اوپر تک بھرا ہوا تھا اسلئے بدو خوش تھا بس وہ یہ چاہتا تھا کہ چمچہ اوچھا نہو چاہے نیچے کچھ بھی بھرا ہو۔ ایکدفعہ چند بدوؤں کو کسی کے اسباب میں جیبی گھڑی ملی انھوں نے جو آواز سنی تو سب حیران ہو گئے کہ اسکے اندر کیا چیز بول رہی ہے آخر یہ رائے پاس ہوئی کہ اسمیں جن بول رہا ہے جیسا یہاں بھی جب کسی مریض کا مرض ظاہر میں سمجھ میں نہ آتا ہو تو اُسے آسیب ہی سمجھتے ہیں بالآخر گھڑی کو ایک پتھر پر رکھکر اوپر سے بڑا پتھر زور سے مارا دیکھا تو آواز بند کیونکہ فنر اور بال کمانی کے ٹکڑے ہو چکے تھے اب سب کے سب بڑے خوش ہوئے کہ ہمنے جنکو مار ڈالا+ بدو ایسے بھولے ہوتے ہیں اُنکا بہلا لینا کچھ مشکل نہیں ایسے ہی بچوں کا بہلانا بھی کچھ دشوار نہیں۔ ہمیں خوب یاد ہے کہ بچپن میں رمضان کے مہینہ میں
ختم قرآن کی شیرینی لینے کو ہمارا جی چاہتا تھا اور ہم ختم کے دن ہر مسجد میں پہونچنا چاہتے تھے ۴۴
لیکن والد صاحب ہمکو منع کرتے اور ختم کے دن کبھی کہیں نہ جانے دیتے اور فرماتے وہاں جا کر کیا لوگے بس بہت سے بہت دو چار جلیبیاں مل جائیں گی۔ لو ہم تمکو بازار سے بہت سی جلیبیاں منگائے دیتے ہیں خوب اچھی طرح کھالو اور ختم کے موقعہ پر نہ جاؤ کھانے پینے کی چیز کیلئے کہیں جانا بڑی بات ہے۔ انھوں نے اسطرح ہمارے دل سے مٹھائی کی حرص نکالی اور ایسے اچھے طور سے نکالی کہ ہمکو ناگوار بھی نہوتا تھا کیونکہ واقعی اپنے گھر اُسدن اتنی مٹھائی لے لیتے تھے کہ مسجد میں دس آدمیوں کو بھی اتنی نہ ملتی ہوگی۔ اسی طرح آپ بھی اپنی اولاد کے جذبات کی اصلاح کیجئے بہرحال شب برات کی بڑی فضیلت ہے شب قدر کی قریب قریب برابر اسکی فضیلت احادیث میں آئی ہے یہانتک کہ بعض نے سورۂ دخان میں لیلۃ مبارکۃ کی تفسیر شب برات سے کردی ہے اور وجہ اسکی یہ ہوئی کہ لیلۃ القدر اور شب برات کے فضائل احادیث میں ملتے جلتے ہیں یہی دیکھکر انھوں نے قرآن میں بھی لیلۃ مبارکۃ سے شب برات ہی سمجھ لی مگر یہ خلاف ظاہر ہے کیونکہ آیت میں لیلۃ مبارکۃ کی صفت یہ مذکور ہے کہ

اسمیں نزول قرآن ہوا ہے اور شب برات میں نزول قرآن ہونیکا نصوص میں کہیں ثبوت
نہیں اسلئے راجح یہ ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے قرآن میں تو لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ مگر
اسمیں شک نہیں کہ شب برات کی بھی بڑی فضیلت ہے اس رات میں اور راتوں سے
زیادہ عبادت کرنا چاہیئے اور صبح کو روزہ رکھا جائے تو جو بات اذا انتصف شعبان
سے اشارۃً معلوم ہوئی تھی دوسری احادیث سے صراحۃً معلوم ہوگئی کہ نصف شعبان سے
پہلے روزہ مشروع ہے بلکہ مسنون ہے۔ اب خاص اس روزہ کی حکمت بھی سمجھئے میرے نزدیک
یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان سے پہلے نصف شعبان کا روزہ رمضان
کے نمونہ کیلئے مسنون فرمایا ہے تاکہ رمضان سے وحشت و ہیبت نہو کہ معلوم روزہ
کیسا ہوگا اور کیا حال ہوگا اسلئے آپنے پندرہ شعبان کا روزہ مقرر فرمادیا کہ اسدن کا روزہ
رکھکر دیکھ لو چونکہ یہ ایک ہی روزہ ہے اسلئے اسکی ہمت سہولت سے ہوجاتی ہے جب وہ
پورا ہوگیا تو معلوم ہوجاتا ہے کہ بس رمضان کے روزے بھی ایسے ہی ہوں گے اور اس تاریخ
میں رات کی عبادت بھی تراویح رمضان کا نمونہ ہے اس سے تراویح کیلئے حوصلہ بڑھتا ۲۵
ہے کہ جب زیادہ رات تک جاگنا کچھ بھی نہ معلوم ہوا تو تراویح کیلئے ایک گھنٹہ زیادہ
جاگنا کیا معلوم ہوگا پس یہ تو اعانت بالمثل علی المثل ہوئی اور پندرہ شعبان کے بعد روزہ سے
منع کرنے میں استعانت بالضد علی الضد ہے اور یہ سب ایک ہی جملہ میں موجود ہے
بھلا ہے کوئی ایسا بلیغ جو ایک جملہ میں علاج بالضد اور علاج بالمثل دونوں کو جمع کردے
اور اس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کمال شان تربیت کا بھی ثبوت ہوتا ہے کیونکہ
کوئی بڑے سے بڑا عاقل اگر تسہیل صوم رمضان کی کوئی صورت تجویز کرتا تو بہت سے بہت
یہ کرتا کہ رمضان سے پہلے ہی ایک دو روز کا روزہ رکھ لیا جائے تاکہ طبیعت کو روزے سے مناسبت
ہوجائے تو صوم سے صوم میں استعانت کرتا باقی یہ علاج کسی کی سمجھ میں نہ آسکتا تھا کہ
ترک صوم کو بھی سہولت صوم میں دخل ہے اسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا
کہ نمونہ کیلئے پندرہ شعبان کا روزہ اور اسکی رات کا قیام مسنون فرماکر اسکے بعد روزہ سے
منع فرمادیا۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور خلاصہ پھر عرض کرتا ہوں کہ اسباب و مسببات میں

جو عقلی احتمال چار نکلتے ہیں اُنمیں یہ احتمال بظاہر بہت بعید تھا کہ ضد جالب ضد ہو مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وقوع بھی بکثرت ہے اور میرے قلب میں نصف آخر شعبان میں روزہ ممنوع ہونیکی حکمت یہی آئی ہے کہ اسمیں استعانت بالضد علی الضد مقصود ہے جسکی مفصّل تقریر اوپر ہو چکی ہے بس اب ہمکو چاہیئے کہ اس رات میں جو اسی پہر کے بعد آئے گی معمولی سے کچھ زیادہ جاگیں اور عبادت میں مشغول ہوں جاگنا بلا عبادت کے مفید نہیں اور قیام اللیل سے نصوص میں محض جاگنا مراد نہیں ہوتا بلکہ جاگتے کیساتھ عبادت کرنا مراد ہے اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھو اور ابھی سے صیام وقیام رمضان کیلئے آمادہ ہو جاؤ - اسکی ایک آمادگی یہ بھی ہے کہ گناہوں سے پاک وصاف ہو جاؤ توبہ کرو اور اہل حقوق کے حقوق ادا کرو کیونکہ گناہوں کو کسل فی الطاعات میں بڑا دخل ہے اور ایک آمادگی یہ ہے کہ تراویح کیلئے صحیح قرآن پڑھنے والوں کو تلاش کرو تیز پڑھنے والوں کو نہ ڈھونڈو کیونکہ ایسا تیز قرآن پڑھنا جس سے حروف بگڑ جائیں اور مقتدیوں کی سمجھ میں بھی نہ آئے مفید نہیں بلکہ الٹا گناہ کا سبب ہے اگر صحیح پڑھنے والا نہ ملے تو الم ترکیف ہی سے تراویح پڑھ لی جائے

اب دعا کیجیے کہ حق تعالیٰ ہمکو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔
وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

اشرف علی

۱۱ ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۰ھ